نوائے حیات

از

یحییٰ اعظمی

نقش اول

حالی پبلشنگ ہاؤس "کتاب گھر" دہلی

قیمت للعہ
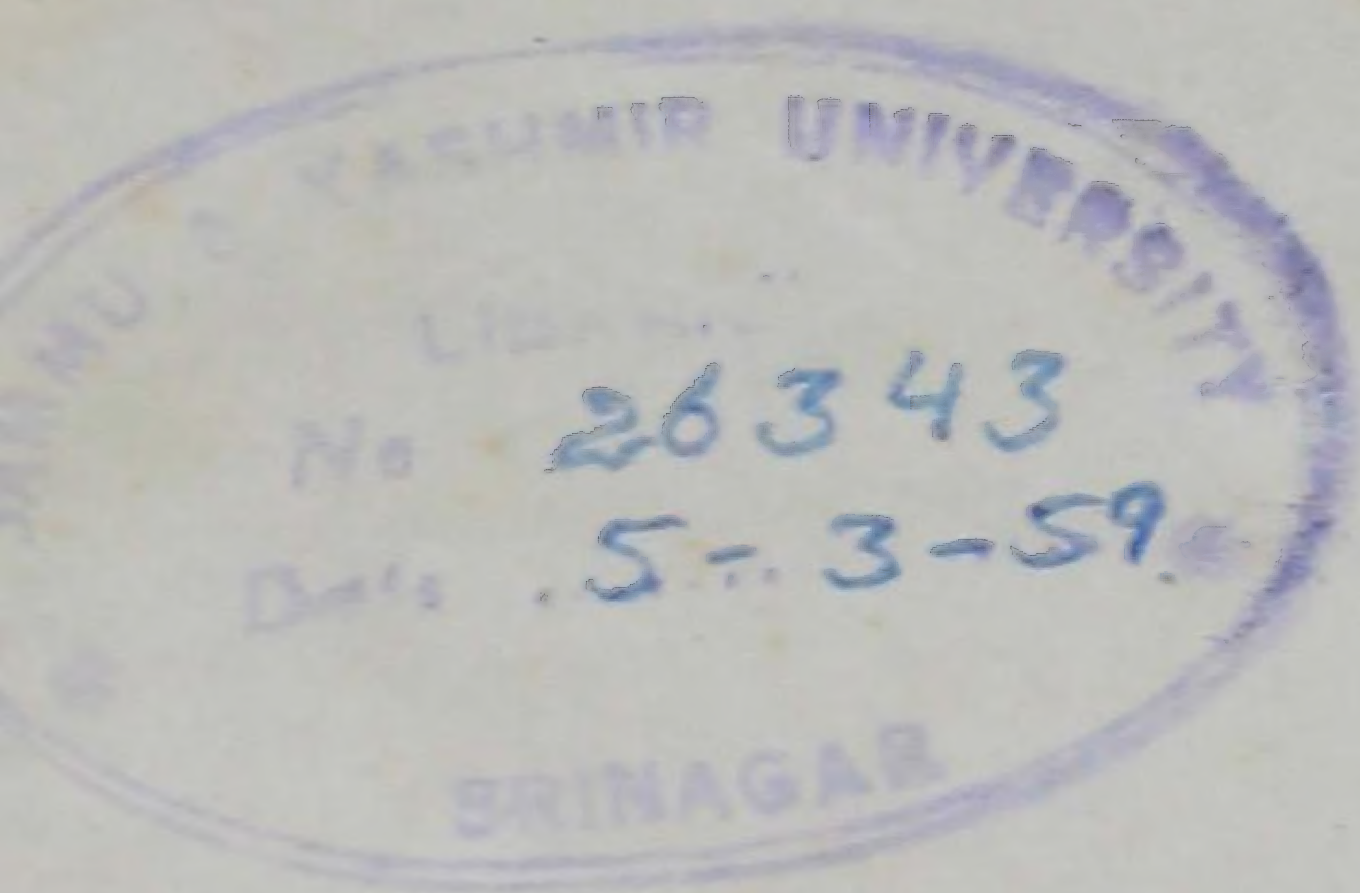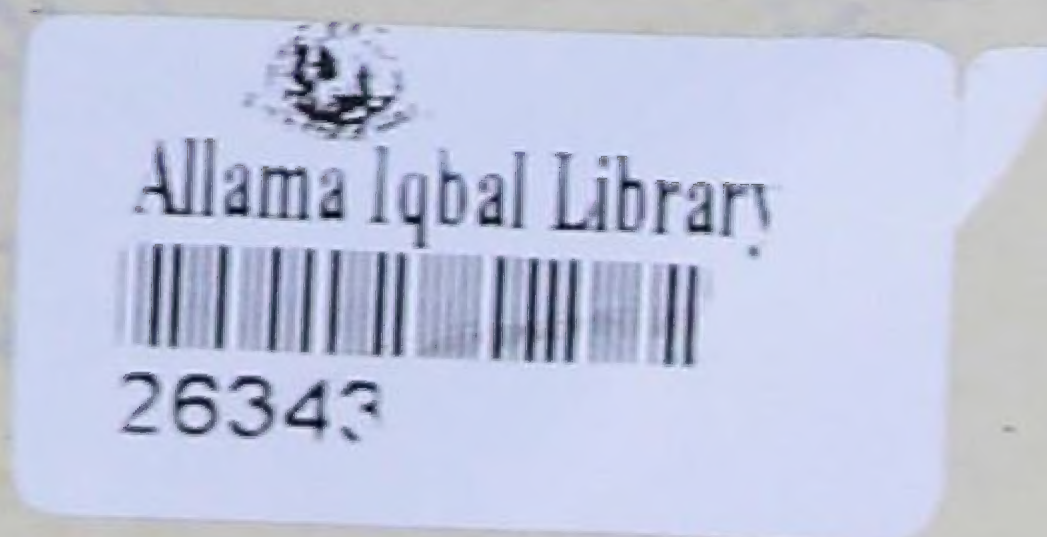
جیّد پریس۔ دہلی

نومبر ۱۹۴۶ء

تہدیہ

میں ان ناچیز اوراق کو سعید ملت، حبیب مکرم جناب ڈاکٹر سعید انصاری بی اے جامعہ ایم اے کولمبیا یونیورسٹی نیویارک، پرنسپل ٹیچرس ٹریننگ کالج جامعہ ملیہ دہلی کی خدمت گرامی میں بطور نذر پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

آپ کی ذات گرامی سے مجھے جو قلبی اختصاص اور روحانی شغف ہی نیز ان اوراق پر آپ کے جو غیر معمولی احسانات ہیں، ایک عقیدت و نیاز سے لبریز قلب اس کے تشکر میں بجز اس کے اور کیا عرض کر سکتا ہے،

نیاز ے پیش کش آوردہ ام اے کاش پذیری

عقیدت کیش

یحییٰ اعظمی

فہرست مضامین

صفحہ

اقبالِ رسالت

علمائے امّت

عہدِ حاضر اور فرزندانِ توحید

صفحہ

سرابستان

مقدمہ

از

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی متع اللہ المسلمین بطول بقائہٖ

مشہور ہو کہ الشعراء تلامیذ الرحمٰن، مشہور ضرب المثلوں میں بھی حقیقت چھپی رہتی ہو۔

ایں ہمہ راز است کہ مشہور عوام است

اس بنا پر مشہور ضرب المثل بھی اپنے اندر حقیقت رکھتی ہو، الہام یعنی دل میں کسی بات کا من جانب اللہ آجانا، اس کی ظاہری مثال شعراء کی زندگی میں عملاً اتنی ملتی ہو کہ اس ظاہری تشابہ کی بنا پر ان کو شاگردِ الٰہی کا نام دے دیا گیا ہو، گویا تخفیق باقی رہ جاتی ہو کہ حقیقت میں یہ وحی من الرحمان ہو کہ من الشیطان کیوں کہ قرآن پاک کی رو سے وحی کی یہ دونوں قسمیں ہیں، پہلی وحی کا حال تو معلوم ہو، دوسری وحی کا ذکر بھی قرآن پاک میں دو جگہ ہو۔

وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُہُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا (انعام)

اور اسی لئے ہم نے ہر نبی کا دشمن بنایا ہے، شیاطین انس اور جن کو، ان میں کے بعض بعض کو فریب سے چکنی چپڑی باتیں وحی کرتے ہیں۔

پھر اس کی پہچان بھی بتادی کہ اس وحی میں حرف پر فریب ظاہری چمک دمک ہوتی ہے حقیقت کا نور اس میں نہیں ہوتا، اس وحی شیطانی کی دوسری نشانی ایک اور ہے۔

وان الشیٰطین لیوحون الی اولیاءھم لیجادلوکم (انعام)

اور یقیناً شیطان اپنے دوستوں کو وحی کرتے ہیں کہ وہ تم سے جدال کریں

اس سے یہ معلوم ہوا کہ حق کی مخالفت اور حق کے قبول میں جدال اس وحی شیطانی کا خاصہ ہے۔

شعراء کے نام سے قرآن پاک میں ایک خاص سورہ ہے، اس سورہ کا خاتمہ ان آیتوں پر ہے۔

ہل انبئکم علی من تنزّل الشّیٰطین ۔ تنزّل علی کلّ افّاک اثیم ۔ یلقون السّمع واکثرھم کٰذبون ۔ والشّعراء یتّبعھم الغاوٗن ۔ الم تر انّھم فی کلّ وادٍ یھیمون ۔ وانّھم یقولون ما لا یفعلون ۔ الّا الّذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت وذکروا اللّٰہ کثیرا وانتصروا من بعد ما ظلموا وسیعلم الّذین ظلموا ایّ منقلب ینقلبون ۔

ہم تم کو بتائیں کہ شیطان کن پر اترا کرتے ہیں شیطان ہر تہمت جوڑنے والے گنہگار پر اترتے ہیں، سنی سنائی باتیں ان کو القاء کی جاتی ہیں، اور ان میں اکثر جھوٹے ہوتے ہیں، اور شاعروں کے پیرو گمراہ لوگ ہوتے ہیں، کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ (خیال کی) ہر وادی میں سرگرداں رہتے ہیں، اور وہ وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں، لیکن جو ایمان لائے اور جنھوں نے اچھے کام کئے اور اللہ کو بہت یاد کیا اور مظلومی کے بعد انتقام کو کھڑے ہوئے اور ظالموں کو آئندہ معلوم ہوگا کہ وہ کس واپسی گاہ میں واپس ہوئے ہیں۔

اہلِ عرب کا عقیدہ تھا کہ شاعروں پر شیطانی وحی آتی ہی، یعنی ہر شاعر کے پاس ایک شیطان موکل ہوتا ہی۔ اور اسی کی تعلیم سے وہ شاعر شعر کہا کرتا تھا، حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلم کو بھی وہ شاعر سمجھتے تھے کہ یہ قرآن بھی شیطانی وحی ہی، اللہ تعالیٰ ان آیتوں میں دونوں وحیوں کے فرق و امتیاز کے وجوہ بیان فرمائے ہیں۔ ارشاد ہی کہ "شیطانی وحی اس پر آتی ہی، جو باتیں گڑھا کرتا ہی، جو جھوٹ بولتا ہی جس کے مدّاح اور پیرو گمراہ اور بدکردار ہوتے ہیں، جس کا خیال ہر میدان میں آوارہ پھرتا ہی، اور جس کے قول و عمل میں یکسانی نہیں ہوتی ہی۔" درخت اپنے پھل سے پہچانے جاتے ہیں، اسی اصول کی بناپر الہام ربانی سے وہ شاعر سرفراز ہوتے ہیں جس کا علم و عمل صحیح ہوتا ہی جو صحیح اصولوں کے معتقد اور اعمالِ صالحہ پر کاربند ہوتے ہیں، اور جن کی شاعری کا منشا حق کی حمایت، حقیقت کا اظہار، واقعیت کا بیان ہی، اور اس حق پرستی اور حقیقت گوئی کا جوش و خروش، موزوں نالوں اور ترانوں کی صورت میں ظاہر ہو کر سننے والوں کے دلوں میں تاثیر کی لہریں پیدا کرتا ہی، محض یادہ گوئی اور قافیہ پیمائی، خواہ کسی قدر اس میں زور و شور ہو وہ، ع

"اے طبلِ بلند بانگ درباطن ہیچ" کا مصداق ہی۔

آج کل عرضِ ہنر کے بازار میں متاعِ شاعری کی ارزانی کا یہ حال ہی کہ شام کو ہمارا نوجوان شاعر ہوتا ہی، رات کو غزل کہتا ہی اور صبح کو لسان الشعراء اور ملک الشعراء کے نام سے کسی نہ کسی موقت اخبار و رسالہ کے خالی صفحوں کے بھرنے میں کام آجاتا ہی، ہمارے بزرگوں کو اپنی عرضِ ہنر میں یہ احتیاط تھی کہ جب تک ان کو ایک مدّت تک اساتذہ کی اصلاح و محبت سے اپنے کمال کی سند ہاتھ نہ آجاتی وہ شاعروں میں اپنا کلام بھی نہیں سُناتے، اور اگر کسی نے ہمّت کی اور ایک آدھ غلطی کا اشارہ کسی طرف سے ہوتا تو عرقِ ندامت میں غرق ہو جاتے، اور اپنے دیوان اور مجموعۂ کلام کی اشاعت اس وقت تک نہیں کرتے جب تک بار بار کے حک و اصلاح، اور دوسرے اہلِ نظر

کے انتخاب اور پسندیدگی کے بعد ان کا قلب مطمئن نہ ہو جاتا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ان کا دیوان شعر و ادب کی جان کا تعویذ ہے، اور آج کل کے عجلت پسند، عرض ہنر کے شائق نوجوان شعرا، کا طومار، زمانہ کے سیلاب کا خس و خاشاک ہے جو سطحِ آب پر تھوڑی دیر نمود دکھا کر ساحلِ فنا سے ہم کنار ہو جاتا ہے، حضرت امیرؔ کا کہنا ہے ع

وہی رہ جاتا ہے زبانوں پر شعر جو انتخاب ہوتا ہے

اسی کو بدل کر فقیر یوں عرض کرتا ہے، ع

وہی رہ جاتا ہے زمانہ میں شعر جو انتخاب ہوتا ہے

پیشِ نظر مجموعۂ کلام ایک ایسے شاعر کا ہے، جس کو کسب و محنت نے نہیں، بلکہ قدرت و فطرت نے شاعر بنا کر عرصۂ حیات میں بھیجا ہے، شاید اسی لئے الاسماء تنزل من السماء کے اصول پر اس کا نام یحییٰ ہوا، ان کی شاعری ان کا عقیدہ اور حقیقت ہے، اور وہ الہامِ شاعرانہ ہے، جو ایمان و عمل کی دعوت ہے، پھر ان کی شاعری نے ایسے ماحول میں تربیت پائی، جو ہمہ تن شعر و ادب تھی، ان کی کوئی نظم اس وقت تک محفلوں میں نہیں آئی، جب تک کنج کی خلوتوں میں وہ اہلِ نظر دوستوں کی پسندیدگی کے قابل نہیں ٹھہری، اور لائق بزرگوں کے مشوروں سے وہ سندِ قبول نہ حاصل کر چکی۔

شاعر کے کلام پر نمایاں اثر شبلیؔ اور شبلی کے خوش گو شاگرد حضرت سہیلؔ کا ہے، وہی اردو میں فارسی ترکیبوں کا وقار، وہی جذبات کا جوش و خروش اور ہر نظم میں مذہب و سیاست کا رجز، الفاظ کا شکوہ، جذبات کا جوش اور حق و صداقت کا رجز اس کے کلام کی خصوصیات ہیں، اور یہی دراصل قصائد کے جوہر ہیں اور اسی لئے شاعر کا یہی اصل میدان ہے، باقی غزلیات اور دوسرے اصناف کی حیثیت اس میں شاعری کے جمیع اصناف کی تکمیل کی سی ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا (مریم) اور ہم نے اس کا کوئی ہمنام پہلے نہیں بنایا

شاعر کو اس ہمنامی کی سعادت میں یہ خصوصیت نصیب ہوئی ہے کہ وہ ایسا شاعر ہے جس کا کوئی تخلص نہیں، حتیٰ کہ اس کا نام بھی بعض شعراء کے ناموں کی طرح تخلص کی شرکت سے پاک ہے، اور اس وصف میں شاید کوئی اُردو اور فارسی کا شاعر اس کا شریک نہیں، محض تخلص کے شاعر تو بہت دیکھنے میں آئے ہیں لیکن تخلص کے بغیر محض شاعر شاید ہی دیکھنے میں آیا ہو،

شاعری کے ظاہری محاسن ارباب نقد نے جو بیان کئے ہیں، اُن سے ہم کو انکار نہیں، لیکن اس کے باطنی محاسن درحقیقت شاعر کی حقیقت رسی حقیقت گوئی جذبات کی شدت، اور بیان کا جوش وخروش ہے اور یہ محاسن اس مجموعہ میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ اس میں موت کا پیغام نہیں یہ سراسر نوائے زندگی، گلبانگ حیات اور زندوں کے میدانِ عمل کا نعرہ ہے

شاعر کی نظموں میں جو قوت محسوس ہوتی ہے، اس کا سبب یہی ہے کہ اس کا موضوعِ بیان، قوت کے وہ دو سرچشمے ہیں، جن کو استاد شبلی نے حیات و ترقی کا مبنیٰ قرار دیا ہے، ان کی نظم مذہب اور سیاست کا مطلع ہے۔

تم کسی قوم کی تاریخ اٹھا کر دیکھو ۔۔۔ انہیں دو باتوں پہ پاؤ گے ترقی کا مدار

مذہبیات میں حضرت صحابہ رضی اللہ عنہم کے مناقب کا پرجوش بیان بھی شبلی سے شروع ہوا اور اب حضرت اقبال سہیل نے اس کو نئے آب و رنگ سے پیش کیا ہے جو صرف زبان کو جزاک اللہ اور سبحان اللہ کہنے پر مجبور نہیں کرتا، بلکہ دلوں کو ان بزرگوں کی عقیدت سے معمور اور قلوب کو پرنور بناتا ہے۔

ادب کی راہ سے مرثیوں اور نوحوں کی صورت میں ایک خاص عقیدے کے نشر و اشاعت کی جو کوشش ایران، بیجا پور، گولکنڈہ اور اودھ میں کی جاتی رہی اور اب بھی کی جارہی ہے، اس کی کامیابی میں کس کو شک ہے، ضرورت ہے کہ دوسرے نظرے اور عقیدے کے حامل بھی اسی راہ سے اپنے بزرگوں کے محاسن اور مناقب دنیا پر آشکارا کریں اور اس کو اپنے ادب کا ایک ضروری حصہ قرار دیں۔

سیاسیات کی نوعیت میں بھی شاعر کا ذوق شبلی کا متبع ہی، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آج حضرت شبلی ہوتے تو کیا کہتے، لیکن پہلے جو کچھ انھوں نے کہا ہی اُسی کی تا بہ بیش از بیش اس میں کی گئی ہی گو سیاسیات اس کلام کا موضوع نہیں اور نہ اس کے حسن و قبح پر گفتگو اس وقت میرا مقصود ہی، تاہم یہ معلوم ہی کہ یہ وہ دھوپ چھاؤں ہی جو ہر وقت رنگ بدلتا اور وہ بوقلموں ہی، جو ہر نئے زمانے میں نئے انداز میں جلوہ گر ہوتا ہی۔

رجالِ عصر کے مناقب اور مدائح اور مراثی بھی اس مجموعہ کا ایک حصہ ہی، اور یہ بھی اس مجموعہ کی ایک خصوصیت ہی اور اس لحاظ سے اس نے قدما کے ان قصائد کا ذوق دوبارہ زندہ کیا ہی جس کے بدولت وہ تاریخ کے مستند اجزا بن گئے ہیں، ہمارے گذشتہ شعرا کے فارسی قصائد سے آج تک سینکڑوں اربابِ کمال کے نام زندہ ہیں، کیا عجب کہ اس مجموعہ کے بدولت آج کے رجالِ کل کے لئے زندگی پا جائیں شاعر کے قلم کی روشنائی میں آبِ حیات کے قطرے شامل ہوتے ہیں۔

اس مجموعہ میں مناظر قدرت کی تصویر کشی بھی کی گئی ہی، یہ تصویریں مصوّرِ فطرت کی عکاسی ہیں۔ اردو شاعری کا یہ حصہ ابھی تکمیل کا محتاج ہی، تاہم ہمارے شاعر کا بیان تشبیہ و استعارے کے پردے میں واقعیت کے اظہار کی کوشش ہی۔ اور غلو و مبالغہ کے اس زنگ سے خالی ہی، جو حقیقت کے چہرہ کا داغ بن جاتا ہی۔

شاعر کی زبان سہل اور عام فہم نہیں، اور آج کل فارسی کے ذوق کا جو فقدان ہی، اس کو دیکھتے ہوئے یہ خیال گذرتا ہی کہ شاید عام لوگوں کو اس کے سمجھنے میں کہیں کہیں دشواری ہو، لیکن واقعہ یہ ہی کہ شاعر اس باب میں معذور ہی، وہ اپنے جوشِ بیان کے اظہار کے لئے عام فہم طرزِ بیان اور الفاظ سے تسلی نہیں پاتا، اور اس کو ایسا محسوس ہوتا ہی کہ اس نے اپنے فرض میں کوتاہی کی ہی، تاہم غزلیات اور بعض بالقصد آسان طرز کے منظومات نے بھی اس میں جگہ پائی ہی، لیکن حق یہی ہی کہ وہ شاعر کی اپنی پسند کی چیزیں نہیں۔

آج کل نوجوان شعراء میں غزلوں کے تنگنائے سے باہر نکلنے کا جذبہ پیدا ہے اور اس لحاظ سے اس مجموعہ کلام کا مولف بھی اس جذبہ سے ہم آہنگ ہے، لیکن اس تنگنائے سے نکل کر کس میدان کی طرف رُخ کیا جائے، ترقی پسند ادیب کا کہنا ہے کہ یہ میدان روزانہ کی زندگی کے مسائل کا بیان ہے، تاکہ زندگی اور ادب میں باہم ربط پیدا ہو، لیکن روزانہ زندگی کے مسائل کی وسعت اگر صرف روٹی مزدور اور غریب کے جھونپڑے تک محدود نہیں، بلکہ معاشرت کی صحیح اصلاح، اخلاق کی صحیح دعوت اور سیاسیات کی صحیح تبلیغ اور مردانِ عمل کی صحیح قدرشناسی تک وسیع ہے تو یہ کہنا درست ہے کہ ہمارا شاعر بھی ترقی پسند ادیب ہے لیکن وہ ترقی پسند ادیب جو مارکس اور اینجل کے صحیفوں کا معتقد اور روس کے دیوتاؤں کا پرستار نہیں بلکہ دینِ حق اور اس کے نظامِ مساوات کا معتقد اور اس کے قیام کا طلبگار اور باطل کی شکست کا آرزو مند اور باطل کے شیوع کا دشمن، اسی لئے جس کو وہ باطل سمجھتا ہے، اُس کے رد میں اس کے لہجہ میں تلخی اور جس کو حق سمجھتا ہے اس کے اثبات میں غلو کا رنگ نظر آتا ہے، مگر یہ سب احساس کی شدت کا نتیجہ ہے اور احساس کی شدت ہی اصل شاعری ہے۔

اس موضوع پر اس سے زیادہ کہنا مقدمہ کی حد سے آگے بڑھ کر تنقید کی سرحد میں قدم رکھنا ہے اور اب یہ کام جب کہ یہ مجموعہ پبلک کے ہاتھوں میں جا رہا ہے، دوسرے اہلِ نظر کا ہے، مقدمہ نگار کا فرض اتنا ہی تھا کہ ناظرین کے پائے نگاہ کے لئے آیندہ منظومات کے معانی و مضامین تک پہنچنے کے لئے زمین ہموار کردے۔ والسلام

ہیچمداں

سید سلیمان ندوی

۲۰ دسمبر ۱۹۴۵ء

احساسِ تشکّر

غزل ۱

نذرِ عقیدت

به

آستانِ سہیل

مرے قلم کا یہ سرمایۂ نشید و ادب	ہے فیض بخشیِ کلکِ گہرفشانِ سہیل
زہے نصیب کہ بخشا فروغِ داغِ سجود	جبینِ خامہ ہے ممنونِ آستانِ سہیل
اسی نواگرِ معجز بیاں کے صدقے میں	مرے قلم کا ہے ہر تار نغمہ خوانِ سہیل
اس انتساب سے لیکن ہے انفعال مجھے	کہاں یہ قطرہ کہاں بحرِ بیکرانِ سہیل
فقیر اور شہنشاہِ کشورِ معنیٰ	پشیز اور گہرہائے شائگانِ سہیل

ؔ دیارِ ہند میں عرفی و نظیری کے ہم زباں، خاقانی و قاآنی کے ہم نوا، متقدمین کی یادگار، خم کدہ شبلی کے زند سرشار، علی گڈھ کے مایۂ ناز فرزند مخدوم گرامی جناب مولانا اقبال احمد خاں صاحب سہیل ایم اے ایل ایل بی ایڈوکیٹ اعظم گڈھ مدظلہٗ العالی

یحییٰ اعظمی

شعاعِ فیض کی ہیں یہ نوازشیں ورنہ — کہاں یہ ذرّہ کہاں مہرِ ضوفشانِ سہیل

اُس آستاں پہ یہ اک نذر ہی عقیدت کی — مرے قلم کو کہاں تابِ ارمغانِ سہیل

سخنورانِ عجم اب کہاں کہ پہچانیں — کمالِ رتبۂ اقبال و قدرِ شانِ سہیل

نہ اب ہیں حافظ و خسرو نہ سعدی و سلماں — اٹھے بساطِ زمانہ سے ہم زبانِ سہیل

جبیں جھکی ہی یہاں عرفی و نظیری کی — وہ جلوہ گاہِ معانی ہی آستانِ سہیل

مُدام اس سے اُبلتا ہی بادۂ شیراز — اِلٰہی موجۂ کوثر ہی یا زبانِ سہیل

وہ جرعہ خوارِ خمستانِ فیضِ نعمانی
حریفِ انوری و عنصری و قاآنی

۳۰ر اکتوبر ۱۹۴۴ء

حریمِ سلیماںؒ[1]

اور

مورِ ضعیف

زہے شرف مرے پیکِ قلم کا راہ نما
جنابِ سید والا کا بھی ہے فیضِ نظر

وہ جس کی اک نگہِ فیض سے خزف ریزے
ہوئے جہانِ ادب میں جوابِ لعل و گہر

وہ جس کی اک نظرِ تربیت کے صدقے میں
عروقِ سنگ میں بیدار فطرتِ جوہر

وہ گنج در جو فقیروں کو بخش دیتا ہے
خزینہ ہائے معارف دفینہ ہائے ہنر

---

[1] مسند نشینِ شبلی حضرت علامہ سید سلیمان ندوی متعنا بقا اللہ بطول بقائہٖ، جن کی ذات گرامی دنیائے علم و معارف میں محتاجِ تعارف نہیں۔
واقعہ یہ ہے کہ آپ نے اپنا بیش قیمت وقت صرف کر کے اس مجموعہ کی اکثر نظموں کو بہ کمال شفقت و ذرّہ نوازی ملاحظہ فرمایا، اور اپنے عالمانہ مشورہ و اصلاح سے مجھے استفادہ کا موقع بخشا۔

یحییٰ اعظمی

یہ ذرّہ ہائے پریشاں مرے عجب کیا ہی — عطا، ضَو سے ہوئے روشناس شمس و قمر

وہ جس کو فیضِ ازل نے ہی یہ شرف بخشا — جبینِ خامہ ہی اور آستانِ پیغمبر

وظیفہ جس کی زباں کا وہ نامِ نامی ہی — صحیفہ جس کے قلم کا ہی سیرتِ سرور

کہاں حریمِ سلیماں کہاں یہ مورِ ضعیف — کمالِ ذرّہ نوازی نہاں ہی اس میں مگر

وہ نازِ علم و ادب، زیبِ مسندِ شبلی
ہی جس کے فیض سے پُرنور مرقدِ شبلی

سپاسِ حکیم[1]

مرے مذاقِ سخن کے وہ اوّلیں مرشد — ہی جن کی فطرتِ پاکیزہ جانِ ذوقِ سلیم
وہ ناقدِ ادب و شعر و نکتہ دانِ سخن — ملی ہی روزِ ازل سے جنھیں نگاہِ حکیم
بتائے جس نے اسے سیکڑوں رموز و نکات — قلم پہ ہی فرض اس نکتہ سنج کی تعظیم
وہ ہوش ور کہ ہی سرمستِ جامِ آگاہی — وہ باخبر کہ ہی فرزانہ و فقیہ و فہیم
وہ درد مند کہ مخلص ہی غم نصیبوں کا — وہ سربلند کہ ہی بیکسوں کا یار و ندیم
وہ چارہ ساز کہ ہی دل نواز و مستغنی — وہ بے نیاز کہ ہی باذل و عطوف و کریم
وہ جس کے مجد و شرف کا ادب حقیقت میں — کمالِ رتبۂ انسانیت کی ہی تعظیم
وہ اجتماعِ محاسن کا مظہرِ کامل — متاعِ نازشِ دوراں ہی جس کی ذاتِ فخیم

---

[1] شہر اعظم گڈھ کے مشہور و معروف طبیب اور سخن شناس و نکتہ سنج حکیم جناب حکیم محمد اسحاق صاحب مدظلہ العالی، جن کی حکیمانہ نظر سے اس مجموعۂ کلام کے ایک ایک حرف کو وہی روحانی و قلبی تعلق ہی جو راقم سطور کو آپ کی ذاتِ گرامی سے حقیقت یہ ہی کہ جس طرح میری حقیر ذات پر آپ کے گوناگوں احسانات ہیں، اسی طرح میرا یہ ناچیز کلام بھی آپ ہی کے اوّلین فیضِ نظر کا رہینِ منّت ہی۔ شاعری کی پوری تاریخ میں میں نے جب بھی کوئی نظم لکھی تو سب سے پہلے آپ ہی نے اسے ملاحظہ فرمایا، اور اپنے حکیمانہ مشوروں اور نکتوں سے مجھے آگاہی بخشی،

یحییٰ اعظمی

کچھ ایک میں ہی نہیں خوشہ چینِ خرمنِ فیض — کہ ہے جہاں میں ہمہ گیر اس کا لطفِ عمیم

شمیمِ گل سے بھی نازک تر اس کا ذوق لطیف — پہاڑ سے بھی گراں سنگ اس کا عزم صمیم

ہو لاکھ شدتِ احساس پھر بھی طبع متین — ادا شناسِ خموشی و شیوۂ تسلیم

قدم قدم پہ ہے جس کے وفورِ رافت ورفق — نفس نفس پہ ہے جس کے ہجوم موجِ نسیم

ہر اک نظر میں تپاں جوشِ لطف کا طوفاں — ہر ایک سانس میں رقصاں محبتوں کی شمیم

زباں وہ جس میں تڑپتی ہے موجِ آبِ حیات — دہن وہ جس سے ابلتے ہیں کوثر و تسنیم

ہے جلوہ گر جو شب و روز اس سراپا میں — کہاں زمانہ میں ایسی مثالِ خلقِ عظیم

شعار اس کا ازل سے ہے خدمتِ انساں — کہ اس کے سامنے ہے اسوۂ رسولِ کریم

حکیم صورت و معنی طبیبِ روح و بدن — وہ ناقدِ ادب و چارہ سازِ طبع سقیم

وہ محرمِ غم پنہاں مرقعِ اخلاق
وہ ہمدمِ دل درد آشنا حکیم اسحاق

بزمِ قدس

نذرِ عقیدت
بہ
دربارِ رسالت

دو عالم تجھ پہ صدقے اے زمینِ گنبدِ خضرا
تری آغوش میں آسودہ ہے وہ برزخ کبریٰ

وہ جس کی ذاتِ والا اک نوید رحمتِ عالم
وہ جس کا روئے زیبا شمعِ ظلمت خانۂ دُنیا

وہ جس کا نطقِ شیریں نغمۂ الہامِ ربّانی
وہ جس کا خلقِ نوشین شہد سے بڑھ کر حلاوت زا

وہ جس کی ہستی اقدس سراپا معنیِ قرآن
وہ جس کا ہر نفس شرحِ پیامِ ملّتِ بیضا

وہ جس کے درگہ سامی کا جبریلِ امیں چاکر
وہ جس کے عتبۂ عالی پہ قدسی ناصیہ فرسا

وہ جس کے آستاں پر رفعتِ عرشِ بریں صدقے
وہ جس کے بوستاں میں نغمہ پیرا بلبلِ طوبیٰ

مبارک عالم اجسام کی وہ ہستیِ اعلیٰ
حفیضِ خاک سے کی جس نے سیرِ عالمِ بالا

وہ جس کے قربِ حق کا تاج نقشِ نصِ اَو اَدنیٰ
وہ جس کے قدس کی معراج سبحان الذی اسریٰ

وہ محمودِ احد جس کی صفت مُزّمل و یٰسین
وہ مطلوب ازل جس کا لقب مدّثر و طٰہٰ

وہ امیِ محفلِ اسرار جس کے نطق پر صدقے
وہ خاکیِ عالمِ انوار جس کا والہ و شیدا

چراغ افروز برقِ طور جس کی طلعتِ عارض
فروغ افزائے بزمِ نور جس کا جلوہ سیما

خطیبِ عظمت و اجلال جس کے موسیٰ عمراں
نقیبِ رایتِ اقبال جس کے حضرتِ عیسیٰ

وہ جس کے خم کدہ کے حضرت فاروقؓ صہبائی
وہ جس کے گل کدہ کے حضرت صدیقؓ اک طوبیٰ

وہ سرشار مئے باقی تصدق جس پہ میخانہ
وہ ساقی جس کے دم سے ضوفشاں خمخانہ بطحا

وہ جس کے بادہ نوشوں میں بلال و بوذر و سلماں
وہ جس کے سرخوشوں میں ابن زید و سید الشہدا

وہ جس کا نقشِ پا سجدہ گہِ مہر و مہِ کامل
وہ جس کا داغِ سیما مطلعِ نورِ سحر گویا

وہ جس کی برقِ ایماں بے قرار جلوۂ ایمن
وہ جس کا ذوقِ عرفاں زندہ دارِ خلوتِ شبہا

وہ جس کے بوریا پر سطوتِ تختِ شہی قرباں
وہ جس کے فقر سے لرزاں شکوہِ قیصر و کسریٰ

محمدؐ وہ کمالِ آخریں محفلِ عالم
محمدؐ وہ جمالِ اولین شاہدِ معنیٰ

محمدؐ وہ نسیمِ نوبہارِ گلشنِ ہستی
محمدؐ وہ شمیمِ مشکبارِ جنت الماویٰ

محمدؐ وہ شبستانِ ازل کی شمعِ نورانی
محمدؐ وہ ز سر تا پا جمالِ جلوۂ سینا

محمدؐ وہ گروہِ اولیا کے سیدِ والا
محمدؐ وہ کلاہِ انبیا کے طرۂ زیبا

محمدؐ وہ نبوت کے شرف کے مبدء و خاتم
محمدؐ وہ رسالت کی صدف کے لولوئے لالا

محمدؐ وہ شہنشاہِ دو عالم سرورِ افخم
محمدؐ یعنی وہ کونین کے پیغمبرِ دآقا

محمدؐ وہ سحابِ رشحہ بارِ مزرعِ گیتی
محمدؐ وہ شبابِ روزگارِ ملتِ بیضا

محمدؐ وہ بہارِ تازۂ باغِ براہیمی
محمدؐ وہ چمن پیرائے باغِ ملتِ آبا

وہ خورشیدِ ضیا بارِ عرب جس کی تجلی سے
عرب کا ذرہ ذرہ آسمانِ قدس کا تارا

وہ رشکِ مہرِ عالم تاب جس کی جلوہ ریزی سے
شبستانِ جہاں میں پھر ہوا نورِ سحر پیدا

سیاہی ہو گئی کافور یکسر شامِ ظلمت کی
صبا لائی پیامِ نور پھر صبحِ سعادت کا

نئے انداز بیداری سے کروٹ لی زمانہ نے
خمارِ خوابِ نوشیں سے یکایک جاگ اٹھی دنیا

جہاں کے گلشنِ پژمردہ میں تازہ بہار آئی
رگِ افسردہ ہستی میں خونِ زندگی دوڑا

نگاہِ معرفت پیدا ہوئی پھر دیدۂ دل میں
عطا ہر کورِ باطن کو ہوئے پھر دیدۂ بینا

عرب کی وادیاں تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھیں
ہوا عالم میں آوازہ بلند اللہ اکبر کا

تزلزل پڑ گیا اس غلغلہ سے قصرِ باطل میں
ندائے حق سے کانپ اٹھا حریم قیصر و کسریٰ

جھکا دیں گردنیں اربابِ طغیان و تمرد نے
ہوئے نام آورانِ کفر اک اک بندۂ مولیٰ

فدایانِ محمد بن گئے جو دشمنِ جاں تھے
تہ تیغ محبت ہو گئی یکسر صفِ اعدا

کوئی فاروق اعظم تھا کوئی صدیق اکبرؓ تھا
جلال آرا تھا کوئی اور کوئی تھا جمال آرا

جہاں کے گوشہ گوشہ میں صدائے دینِ حق پہنچی
لوائے حق پرستی مشرق و مغرب میں لہرایا

ہوا سکہ رواں عدل و مساوات و اخوت کا
ہوئی پھر از سرِ نو مجلسِ صدق و صفا برپا

فضائل سے ہوئی آراستہ پھر بزمِ انسانی
محاسن کا بنی گہوارہ پھر یہ فسق کی دنیا

دلوں کی خشک کھیتی لہلہائی جوشِ باراں سے
سرِ بستانِ جاں میں چشمہ پھوٹا نورِ عرفاں کا

مٹی ظلمت سرائے دہر سے لعنت غلامی کی
زمانہ سے اٹھی رسمِ تمیزِ بندہ و آقا

جسے دیکھو وہ اب سرشارِ صہبائے اخوت ہے
جسے دیکھو وہ اب ہے بادۂ وحدت کا متوالا

نہ دیکھی ہوگی چشمِ آسماں نے بزمِ قدسی یا
سنے ہوں گے نہ عالم نے یہ نغماتِ طرب افزا

نہ پائے گا زمانہ پھر کبھی مجد و شرف ایسا
نہ دیکھے گا کبھی پھر یہ سعادت دیدۂ دنیا

مظاہر تھے یہ سارے رحمت اللعالمینی کے
کرشمے تھے یہ سب بس آپ کی لطف آفرینی کے

صدّیقینِ نبوت

یہ اصحاب نبی سب مظہرِ شانِ نبوت ہیں
ادا سنجِ رسالت ہیں ادا دانِ نبوت ہیں

خزینے ان کے سینے کیوں نہ ہوں انوارِ حکمت کے
کہ یہ سرمایہ دارِ علم و عرفانِ نبوت ہیں

جلالت کے لئے ان کی فقط اتنا ہی کافی ہے
کہ یہ سرتا قدم سرشارِ فیضانِ نبوت ہیں

یہی ہیں رونقِ کاشانۂ پیغمبرِ عالم
یہی نقش و نگارِ قصر و ایوانِ نبوت ہیں

وہ جو گنجینہ دار جلوۂ شمعِ رسالت ہیں
وہ جو آئینہ دار روئے تابانِ نبوت ہیں

ازل ہی سے جمالِ روئے اقدس کے یہ پروانے
فدایانِ رسالت جاں نثارانِ نبوت ہیں

ملے ہیں کس پیمبر کو صدیقؓ و غم گسار ایسے
یہ اصحاب گرامی درخورِ شانِ نبوت ہیں

جہانِ قدس میں اللہ اکبر مرتبہ ان کا
حقیقت میں یہ صدیقینِ شایانِ نبوت ہیں

خدا سے خود انھیں مانگا ہے سرکارِ دو عالمؐ نے
خدا شاہد ہے یہ سب جانِ ارمانِ نبوت ہیں

قسم ہے حضرتِ صدیقؓ کی پاکیزہ فطرت کی
یہی دنیا میں پہلے مرتبہ دانِ نبوت ہیں

نسیمِ قدس کی ذوق آشنا ہے سرخوشی ان کی
کہ یہ روزِ ازل سے مستِ ریحانِ نبوت ہیں

یہ سب رمز آشنائے رتبہ شانِ رسالت ہیں
یہ سب آئیں شناس ذوق و وجدانِ نبوت ہیں

خبر ان سرخوشوں کو خود نہیں ہے اپنی ہستی کی
جہاں میں اس طرح یہ مستِ اذعانِ نبوت ہیں

ہجومِ سرخوشی میں بےخبر ہیں دونوں عالم سے
وہ صہبائی کہ سرمستِ خمستانِ نبوت ہیں

ہر اک موجِ نفس ان کی نویدِ روحِ ریحاں ہے
کہ یہ دنیا میں نکہت بیز دامانِ نبوت ہیں

علوم اولین و آخریں ہیں ان کے سینوں میں
کہ یہ حکمت شناسان دبستانِ بنوت ہیں

انھیں دیکھو تو یہ سرتا قدم طور تجلی ہیں
کہ یہ خود مستفیض نور ایمانِ بنوت ہیں

یہ رکھتے ہیں اگرچہ شانِ صدیقی و فاروقی
مگر یہ واقعہ ہی سب کے سب جانِ بنوت ہیں

چمک اٹھے نہ کیوں تاج خلافت ان لآلی سے
کہ خود پروردۂ آغوشِ نیسان بنوت ہیں

نہ ہوتے یہ تو یہ گنج گرامی کس طرح ملتا
زبانیں ان کی ابتک گوہرافشانِ بنوت ہیں

یہی گلزارِ عالم میں نوا پیرائے وحدت ہیں
یہی باغِ جہاں میں نغمہ سنجانِ نبوت ہیں

تروتازہ ہی ان کے دم سے گلزارِ نبیؐ ابتک
یہ گویا سرو و ریحانِ گلستانِ بنوت ہیں

اصحاب رسالت

وفورِ شوق ہی اور عتبۂ بابِ رسالت ہی
جبینِ خامہ پھر سرگرمِ آدابِ رسالت ہی

بحمداللہ بزم ذکر احبابِ رسالت ہی
نئے عنوان سے پھر مدحِ اصحابِ رسالت ہی

فلک تک ہی بلند آوازۂ حسنِ رقم میرا
ملائک چومتے جاتے ہیں ہر نقشِ قلم میرا

تخیل ہی مرا پھر بزمِ طیبہ کا تماشائی
تصور میں ہی تازہ پھر کسی کی جلوہ فرمائی

وہی ہی محفل آرائی وہی ہی بادہ پیمائی
مشرف ہو رہی ہیں ساقیِ کوثر کے صہبائی

رحیقِ صاف پیمانوں میں باہم ڈھلتی جاتی ہے
یہ عالم ہے دلوں میں شمعِ عرفاں جلتی جاتی ہے

رگ جاں میں حیات افروز وہ صہبائے صافی ہے
جو بیمارِ محبت کے لئے تریاقِ شافی ہے
بقدرِ تشنگی ہر رندِ سرگرمِ تلافی ہے
مگر ساقی کے مستوں کے لئے اک جام کافی ہے

کہ یہ روزِ ازل سے سرخوشِ صہبائے عرفاں ہیں
نگاہِ مستِ ساقی کے اشاروں کے ادا داں ہیں

حقیقت میں یہی سرشارِ فیضانِ نبوت ہیں
یہی دراصل رندانِ خمستانِ نبوت ہیں
یہی بزمِ جہاں میں مظہرِ شانِ نبوت ہیں
یہی آئینہ دارِ روئے تابانِ نبوت ہیں

انھیں کے سر پہ زیبا طرۂ تاجِ خلافت ہے
انھیں کے واسطے دنیا میں معراجِ خلافت ہے

کسی کا فیضِ رافت مظہرِ شانِ جمالی ہے
کسی کی شانِ سطوت پرتوِ رنگِ جلالی ہے
کوئی سرتا بہ پا آئینۂ شیریں مقالی ہے
یداللہی کسی کی وقفِ شمشیرِ ہلالی ہے

یہ شانِ رحمۃ اللعالمینی کے مظاہر ہیں
حقیقت میں رسالت کے یہی چاروں عناصر ہیں

تعلق ایک ہی مرکز سے رکھتے ہیں یہ ماہ پارے
طوافِ مہر میں مشغول رہتے ہیں یہ سیارے
ہیں روشن ایک ہی خورشید کے جلووں سے یہ تارے
شعاعِ پرتوِ خور سے فروغ انگیز ہیں سارے

سپہرِ دینِ حق کے یہ وہ تابندہ کواکب ہیں
جو خود مہرِ درخشندہ کے ہم بزم و مصاحب ہیں

صفِ اصحاب میں اللہ اکبر شانِ صدیقی — امامت جس کی اذعانی خلافت جس کی تصدیقی
بصیرت جس کی عرفانی، فراست جس کی تحقیقی — قیادت جس کی تائیدی سیادت جس کی توثیقی

جہاں میں وہ رفیقِ اوّلین سرورِ عالم
صدیق غم گسار و جانشینِ سرورِ عالم

قلم اور مدح شانِ حضرت فاروق اعظمؓ کی — زبانِ خامہ اور توصیف اس عدلِ مجسم کی
تمنا سرورِ عالم کو تھی خود جنکے مقدم کی — وہ جانِ آرزو یعنی شہنشاہِ دو عالم کی

جہاں کو یاد ہے ابتک کمالِ عہدِ فاروقی
جلالِ عہدِ فاروقی جمالِ عہد فاروقی

وہ تصویرِ رضا صبرِ مجسم حضرتِ عثمانؓ — کہ ہیں شیرازہ بند وحیِ پاک وجامع قرآں
وہ ذی النورین وہ ختنِ نبی وہ زبدۂ اعیاں — کہ جن کا سینۂ پُر نور تھا گنجینۂ عرفاں

یہ صبر و شکر کے خاتم کے وہ روشن نگینہ ہیں
کہ گویا دین کی مجد و شرافت کا خزینہ ہیں

تعالی اللہ شانِ فقر و زور بازوئے حیدر — زمانہ آج تک کہتا ہے جن کو فاتحِ خیبر
نہاں ان کی یداللّٰہی میں وہ شمشیر کے جوہر — صفِ اعدا تھی جس کے قہر سے زیر و زبر یکسر

نمونہ آپ کی تلوار تھی قہرِ الٰہی کا
صفِ کفار کو شکوہ تھا جس کی بے پناہی کا

خلافت کے یہی وہ خاتم افروز آبگینے ہیں — مجلّا جلوۂ شمعِ حرا سے جن کے سینے ہیں

یہی دنیا میں اخبارِ پیمبر کے سفینے ہیں
فروغِ پرتوِ مہرِ نبوت کے خزینے ہیں
جمالِ عارضِ سرورؐ سے روشن انکی آنکھیں ہیں
سراپا جلوہ گاہِ برقِ ایمن انکی آنکھیں ہیں

یہی ہیں دہر میں سرچشمۂ پیغامِ الہامی
جہاں میں ہیں یہی وجہ فروغِ دینِ اسلامی
مسلّم دونوں عالم میں ہے ان کا رتبہ سامی
ملا ہے ان کو دنیا ہی میں پیغامِ خوش انجامی
یہ ہیں راضی خدا سے اور راضی ہے خدا ان سے
تروتازہ ہے اب تک بوستانِ مصطفٰےؐ ان سے

مدحِ صحابہ کرامؓ

مسلمانوں پہ وا ہونے کو ہے رحمت کا دروازہ
نئی ترتیب پھر پانے کو ہے ملت کا شیرازہ
نوائے مدح سے بزمِ جہاں ہوگی پرآوازہ
کریں گے عظمتِ اصحابِ ختم المرسلیں تازہ
تصدق عزت و اجلال جن کے نامِ نامی پر
فدا کر دیں گے جانیں ان کے ناموسِ گرامی پر

فروغِ دین ہے کیا، اعجاز ایمانِ صحابہ کا
بیاں ہو وصف کیونکر ذوقِ عرفانِ صحابہ کا
ہے اسلام آج تک ممنون احسانِ صحابہ کا
بھلا کیا پوچھتے ہو مرتبہ شانِ صحابہ کا
یہ فرمانِ نبی ہے سب کے سب نجمِ ہدایت ہیں
یہ سب آئینہ دارِ جلوۂ مہرِ رسالت ہیں

انھیں کے دم سے ابتک دہر میں اسلام زندہ ہے
خدا کا نام زندہ ہے نبی کا نام زندہ ہے
زبانِ وحی کا ہر نغمۂ الہام زندہ ہے
خدائے دو جہاں کا آخری پیغام زندہ ہے

خدا نے خود جنھیں وارث بنایا ہے خلافت کا
ہے جن کی زندگی معیار اسلامی شرافت کا

فرشتوں سے بھی بڑھ کر ان کی شانِ امتیازی ہے
وہ رشکِ قدسیانِ عرش جن کی پاکبازی ہے
وہ جن کو دونوں عالم میں نوید سرفرازی ہے
رسول اللہ کو محبوب جن کی دل نوازی ہے

وہ جن کو سرورِ عالم نے یارِ غار فرمایا
محبت سے جنھیں خود محرمِ اسرار فرمایا

مجلا جن کے سینے شمع عرفانِ نبوت سے
منور جن کی آنکھیں روئے تابانِ نبوت سے
وہ جن کی زندگی سرخوش خمستانِ نبوت سے
وہ جن کا ہر نفس سرشار فیضانِ نبوت سے

جسے دیکھو وہ تھا خم خانۂ وحدت کا صہبائی
نگاہِ ساقیِ کوثر کے جلووں کا تمنائی

قسم ہے حضرت صدیق کی شانِ جمالی کی
قسم ہے حضرت فاروق کے رنگِ جلالی کی
قسم عثمان کے صبر و رضا کی بیمثالی کی
قسم ہے فاتحِ خیبر کے شمشیرِ ہلالی کی

جہاں میں جو ہے منکر ان کی اسلامی جلالت کا
وہ منکر ہے نبوت کا وہ منکر ہے رسالت کا

یادِ رفتگاں

نذرِ عقیدت بہ آستانۂ شبلی

خوشا وقتے کہ یوسف زینتِ آغوشِ کنعاں تھا
وطن کا گوشہ گوشہ معدنِ لعلِ بدخشاں تھا

تمہیں بھی یاد ہی اے آسمانِ علم کے تارو
کبھی تم میں ضیا افروز اک ماہِ درخشاں تھا

وہ ماہِ جلوہ آرا جس کی نورانی شعاعوں سے
وطن کا ذرہ ذرہ آفتابِ علم وعرفاں تھا

عزیزِ مصرِ فن جس کے فیوضِ حسنِ معنیٰ سے
یہ شہرستانِ دانش مدتوں تک یوسفستاں تھا

وہ رمز آگاہ جس کا سینہ حکمت کا خزینہ تھا
وہ بینا جس میں عمانِ معانی محوِ طوفاں تھا

نوائے راز پر جس کے سروشِ آسماں صدقے
صریرِ کلک پر جس کے دبیرِ چرخ رقصاں تھا

غزالی اور رازی محرمِ اسرار تھے جس کے
ظہیرِ فاریابی جس کا اک طفلِ دبستاں تھا

وہ جس کی ہر نظر سرمستِ جامِ ہوش وآگاہی
وہ جس کا ہر نفس رمز آشنائے علم وعرفاں تھا

وہ دورِ بادۂ حکمت تھا اس کے فیض سے جاری
کہ جس کا جرعہ کش دشتِ عرب سے تا بہ ایراں تھا

وہ جوش اٹھا تھا موجِ بادۂ رنگینِ مشرق سے
کہ جس کے شور سے خمخانۂ مغرب میں طوفاں تھا

منور ہو گئی تھی بزمِ ملت کثرتِ ضو سے
کچھ ایسا ہر طرف فیضِ فروغِ شمعِ عرفاں تھا

کبھی تھا آستانِ پاکِ سرور پر سر افگندہ
کبھی خود جستجوئے راز میں سر در گریباں تھا

کبھی گلدستہ بندِ سیرتِ پیغمبرِ عالم
کبھی حکمت طرازِ نکتہ ہائے علم وعرفاں تھا

صحیفہ لکھے حاضر تھا کبھی عشق و عقیدت کا
مگر یہ ارمغان اُس درگہِ عالی کے شایاں تھا

رہا کرتے تھے ہر دم جس پہ قدسی ناصیہ فرسا
"گدائے بینوا" اُس آستاں پر گوہر افشاں تھا

ملک جس کی نگارش کا مثنیٰ لیتے جاتے تھے
فلک معمور تھا جس کی نوا سے یہ وہ انساں تھا

نگارستان چیں صدقے تھا جس کے حرف رنگیں پر
تصدق جس کے نقش کلک پر نقش سلیماں تھا

وہ فخرِ حافظ و خسرو وہ نازِ سعدیؔ و سلماں
کہ ہند اس کی بدولت رشکِ شیراز و صفاہاں تھا

وہ نقاد معانی صاحب شعر العجم یعنی
عرب سے تا عجم جس کی نوا سنجی پہ رقصاں تھا

شرف اس کا مسلم تھا جہان علم و دانش میں
تفوق اس کا دنیائے معارف میں نمایاں تھا

خطابت میں ادب میں نقدِ فن میں نکتہ سنجی میں
وحیدِ عصر و فخر روزگار و نازِ دوراں تھا

کہیں صدیوں میں ہوتا ہے یہ فیضِ خاص ربانی
نہیں اُٹھتے ہمیشہ دہر میں شبلیِ نعمانی

مولانا محمد علیؒ کے غم میں

چند قطرۂ خونیں

ے کہ تیرے دم سے شور آگیں فضائے کائنات
اے کہ تیری ہر نوا ملت کو پیغامِ حیات

ے کہ فطرت میں تری بے تابی امواجِ برق
اے تپش آموز مشرق اے حیات افروز شرق

ے کہ تیرے نعرہ ہائے حق سے باطل پاش پاش
اے کہ تیری ذات ناحق کو پیامِ دورباش

اے کہ تیرے دم سے قائم جلوہ دار و رسن
اے کہ تازہ تجھ سے جانبازی کا آئین کہن

آج کیوں اے ہستیِ ہنگامہ آرا ہی خموش
کیوں فضائے ہند ہی اس درجہ محرومِ خروش

اے نواسنجِ وطن اتنی خموشی کس لئے
اپنے مشتاقوں سے آخر چشم پوشی کس لئے

تم نے چھوڑا تھا وطن حق کی حمایت کے لئے
مجلسِ شاہی میں اعلان صداقت کے لئے

تھا اسی مقصد سے یہ عزم جہانِ حریت
جا کے لائیں گے وطن میں ارمغانِ حریت

مر کے تم نے بات رکھ لی کشورِ آزاد میں
پھر قدم رکھا نہ اس خاکِ غلام آباد میں

تو کہاں گم ہو گیا اے یوسف ہندوستاں
آج کنعانِ وطن ہی غم میں تیرے خونفشاں

مادرِ ہندوستاں ہی غم میں تیرے سوگوار
عالمِ اسلام فرطِ درد و غم سے اشکبار

اک فقط ہندوستاں تنہا نہیں ہی غم کدہ
ایشیا کا چپہ چپہ آج ہے ماتم کدہ

ملت اسلام کی آنکھوں کا تارا چل بسا
ملک و ملت کی امیدوں کا سہارا چل بسا

بختِ بیدار وطن تھے آپ خود کیوں سو گئے
اس قدر اے مہرباں نامہرباں کیوں ہو گئے

حق سدا ملت پرستی کا ادا کرتے رہے
قوم پر تم جان تک اپنی فدا کرتے رہے

مرتے دم تک خدمتِ ملت سی باز آئے نہ تم
عذر کوئی بھی زباں پر آج تک لائے نہ تم

مرنے والے رہنما تجھ کو ہی اس کی بھی خبر
اک جہاں ہی غم میں تیرے کس طرح آشفتہ سر

کاش ہو جائے سوئے دامانِ رنگیں اک نظر
دیدنی ہی آج خوں افشانیِ قلب و جگر

کچھ تجھے معلوم ہی ہوتا ہی کیا تیرے لئے
دونوں عالم میں ہی ہنگامہ بپا تیرے لئے

قدس کے طائر وہاں نغمہ سرا تیرے لئے
اور یہاں اک حشرِ ماتم ہی بپا تیرے لئے

دیدنی نزہت گہ جنت کی آرائش ہی آج — ہر چمن پر دجلۂ انوار کی بارش ہے آج

تیری تشریف آوری کی دھوم ہی چاروں طرف — پیشوائی کو کھڑے ہیں اہلِ جنت صف بہ صف

بابِ جنت پر ہیں بی اماں سراپا انتظار — ساحتِ فردوس میں حوریں قطار اندر قطار

آہ اب فردوس میں اس شان سے جاتا ہی تو — داغ دیکے ہم کو ہندوستان سے جاتا ہی تو

عالمِ غربت کی وقتِ مرگ تو نے سیر کی — پیش گوئی سچ ہوئی آخر دیارِ غیر کی

موت نے کھینچا وطن سے دور تیری خاک کو — بیکسی کی شرم رکھنی تھی خدائے پاک کو

آہ ذوقِ حق پرستی تجھ کو لندن لے گیا — جذبِ خاکِ قدس تجھ کو سوئے مدفن لے گیا

آج فرشِ خاک پر ہی وہ تری آرام گاہ — ساکنانِ عرش اترتے ہیں جہاں شام و پگاہ

بوسہ گاہ قدسیان پاک ہی تیرا مزار
تجھ پہ نازل ہو رہی ہی رحمتِ پروردگار

ماتمِ انصاری

یہ جوشِ نالۂ غم یہ نوائے گریۂ و زاری — رہی گی چشمِ ملت حشر تک وقفِ گہرباری

قیامت تک وطن کو خون کے آنسو رلائی گی — پئے یارانِ ہمدم آپ کی یہ گرم رفتاری

ضرورت تھی کہ انصاری بھی اس محفل میں جا پہنچیں — جہاں تھے بزم آرا خلد میں یارانِ انصاری

کہیں ہیں کارفرما اجمل و جوہر کہیں شبلی — وہاں بھی ہی "امیر وفد" کے مقدم کی تیاری

نگاہیں آج فرشِ راہ ہیں ترکی شہیدوں کی — کہ وقتِ جاں سپاری تم نے کی تھی انکی دلداری

یتیموں اور بیواؤں کے غمخواران رفتہ سے
مگر لینے گئے ہیں آپ دادِ سعیِ غم خواری

سکوں نا آشنا دل درد سے ہر دم تڑپتا تھا
کہ پایا تھا ازل سے آپنے ذوقِ دل افگاری

مسیحِ ملت بیمار دنیا تم کو کہتی تھی
دمِ عیسیٰ سے بڑھ کر تھی تمہاری نرم گفتاری

وداعِ روح تک تڑپا کیا دل دردِ ملت سے
رہا کیں آخری دم تک وہ آنکھیں وقفِ خونباری

جہادِ حریت کے آپ وہ تنہا مجاہد تھے
صفِ اعدا کو اب تک یاد ہے جس کی جگر داری

ابھی کل تک امیرِ عسکرِ احرارِ ملت تھے
وطن نے تم کو دی تھی مجلسِ قومی کی سرداری

قدِ والا شرف بخشِ قبائے رہنمائی تھا
سرِ اقدس پہ زیبا تھی کلاہِ فخرِ مختاری

وقارِ اس بزم[1] کا تھا اک تمہارے دم سے وابستہ
امانت تھیں تمہیں ناکِ وطن کی عظمتیں ساری

مگر اب یہ چمن صد حیف تاراجِ حوادث ہے
کہ زیرِ خاک پنہاں ہے کرم کا چشمۂ جاری

ترے احسان سے گردن جھکی جاتی ہے ملت کی
کہاں سے لائے اب یہ ناتواں تابِ گراں باری

رہے گی جامعہ اب عمر بھر صدمۂ یتیمی سے
رہی گی سوگوارِ ماتمِ جانکاہِ انصاری

ودیعت ہے تری آغوش میں اے خاکِ ملیہ
شبستانِ وطن کا آفتابِ صبحِ بیداری

مگر اس کی تجلی خاک میں بھی چھپ نہیں سکتی
رہیں گی اس کی کرنیں حشر تک گرم ضیاباری

پیامِ آفریں اے سرفروشِ مشہدِ ملت
سلامِ آخریں اے سرفرازِ رحمتِ باری

وداع اے ساکنِ دار السلام اے عازمِ جنت
فراق اے طالعِ ہندوستاں کے عہدِ بیداری

ترے غم میں دلِ ہندوستاں کیونکر نہ ہو پر خوں
نہ اٹھا تیرے جیسا چارہ سازِ ملتِ محزوں

[1] کانگریس

آہ مولانا شوکت علی

اف غم روزگار کی باتیں — دہر ناپائدار کی باتیں
جور سے ایک دم قرار نہیں — آہ لیل و نہار کی باتیں
اس خزاں آشنا زمانہ میں — کیا سنائیں بہار کی باتیں
دل جو پہلو میں ہو تو اب سنئے — دیدۂ اشکبار کی باتیں
ہو گیا آہ آج وہ رخصت — یاد ہیں جس کی پیار کی باتیں
کس کو اب بیقرار کردیں گی — ملت دل فگار کی باتیں
کون ہے جو سنے گا اب یارب — امتِ سوگوار کی باتیں
قوم کو کون اب سکھائیگا — ہمتِ استوار کی باتیں
برق سے بڑھ کے کام کرتی تھیں — شوکتِ نامدار کی باتیں
وہ زباں کیا تھی تیغِ جوہردار — جس میں تھیں ذوالفقار کی باتیں
تیغِ ابرو کے ہر اشارے میں — خنجرِ آبدار کی باتیں
تھیں سراپا پیامِ جوشِ جہاد — اس مجاہد شعار کی باتیں
تا ابد اشک خوں رلائیں گی — آہ شوکت کی پیار کی باتیں
کانپ اٹھتا تھا لشکرِ باطل — آہ کوہِ وقار کی باتیں
اب کہاں آہ شوکتِ ملت — آئینہ دار عظمتِ ملت

اب کہاں وہ وفا شعار افسوس ‏ ‏ خادمِ کعبہ صد ہزار افسوس

ہند سے لے کے تا بہ خاکِ حجاز ‏ ‏ غم میں کس کے ہے سوگوار افسوس

اٹھ گیا وہ مجاہدِ اعظم ‏ ‏ تھا جو اسلام پر نثار افسوس

اس بہادر سے ہوگئی خالی ‏ ‏ صف میدان کارزار افسوس

چل دیا چھوڑ کر غلاموں کو ‏ ‏ ملک ہمت کا تاجدار افسوس

آج خود شیرِ بیشۂ اسلام ‏ ‏ ہو گیا موت کا شکار افسوس

وہ زعیمِ فخیم اب نہ رہا ‏ ‏ جس سے تھا قوم کا وقار افسوس

دشمنوں سے مقابلہ کے لئے ‏ ‏ تھا وہ اک سدِّ استوار افسوس

ہو گیا دفن خاکِ دہلی میں ‏ ‏ شوکتِ قوم کا منار افسوس

سرفروشانِ ملک و ملت کا ‏ ‏ مایۂ ناز و افتخار افسوس

جرأت و شوکت و بسالت کا ‏ ‏ پیکرِ مست و شاندار افسوس

مٹ گئی ہائے بزمِ دنیا سے ‏ ‏ آج جوہر کی یادگار افسوس

گلشن آرزوئے ملت کی ‏ ‏ خاک میں مل گئی بہار افسوس

شدتِ غم سے کیوں نہ ہوجائے ‏ ‏ دامنِ صبر تار تار افسوس

صدمہ و ابتلائے پیہم سے ‏ ‏ دل ملت ہے داغدار افسوس

ہیں ہرے آج زخم ہائے جگر
آہ تازہ ہوا غمِ جوہر

اٹھ گیا وہ مجاہدِ اسلام — حق ہے گر وقفِ غم ہوں مصر اور شام

وہ مجاہد کہ زندگی جس کی — تھی سراپا جہاد کا پیغام

وہ اولوالعزم قائدِ ملت — جس سے تھی تازہ شوکتِ اسلام

وہ بہادر کہ ہر ادا جس کی — جرأت آموزِ صد دلِ ناکام

وہ وطن دوست جس نے پہنچایا — گوشہ گوشہ میں حریت کا پیام

تھا وہی زیبِ مسندِ اسلاف — تھا وہی آج جانشینِ عظام

اجمل و جوہر و تصدق کا — اس کی ہستی پہ ہوگیا اتمام

آہ ہوتے ہیں اب کہاں پیدا — ایسے عالی ہمم زعیمِ ہمام

عہدِ حاضر کے سرفروشوں میں — اس مجاہد کا تھا بلند مقام

تھا وہ ملت کا قائدِ محبوب — تھے فدا اس پہ سب خواص و عوام

روز و شب جد و جہد بے پایاں — تھا یہی اس کی زندگی کا نظام

مرتے دم تک شکست دے نہ سکی — اس کی ہمت کو گردشِ ایام

رشک ہے اس کی موت پر سب کو — مر کے پائی ہے وہ حیاتِ دوام

رو لے جی بھر کے آج اے ملت — کہ ہے اب یہ وداع کا ہنگام

اب وہ پیکر نظر نہ آئے گا — یونہی ہوتی رہیں گی صبح اور شام

تھکنے والے تجھے مبارک ہو — ابدی خواب گاہ کا آرام

تیری روحِ عظیم پر صدقے — نعمتِ باغِ خلد کا انعام

ہو قبول اے مسافرِ جنت ہم غلاموں کا بھی درود و سلام

آج مختار و جوہر و اقبال
سبھی حاضر ہیں بہرِ استقبال

ماتم اقبال

کس کے غم میں وقفِ شیون ہے فضائے باغِ دہر خون سے لبریز ہیں کیوں لالہ و گل کے ایاغ

آہ اے اقبال اے مرغِ نواسنجِ حیات ہو گیا محروم نغموں سے ترے مشرق کا باغ

شاعرِ اسلام سے خالی ہوئی بزمِ وجود سینۂ ملت نہ کیوں ہو فرطِ غم سے داغ داغ

اف کہوں کیونکر کہ تیری شمعِ ہستی بجھ گئی بجھ گیا صد حیف بزمِ علم و عرفاں کا چراغ

تھی تجھی سے ہند میں قندیلِ حکمت ضو فشاں اے حکیم دیدہ ور اے عارفِ روشن دماغ

تو نے پایا تھا ازل سے سوزِ سلمانؓ و اویسؓ تیری بزمِ دل میں روشن تھا محبت کا چراغ

اللہ اللہ یہ جنونِ شوق کی وارفتگی عمر بھر تو نے لگایا کوئے جاناں کا سراغ

ہر نفس تیرا تھا ملت کے لئے یکسر پیام تیری ہستی آخری دم تک رہی وقفِ بلاغ

کون اب ہم پر کرے گا فاش اسرار و رموز فکر کس کا اب لگائے گا حقیقت کا سراغ

تھا جو کل عقدہ کشائے کش مکش گاہِ حیات پا گیا وہ خود کشاکش ہائے ہستی سے فراغ

الوداع اے ملتِ اسلام کے روشن دماغ الفراق اے عالمِ توحید کے چشم و چراغ

آہ اب دنیا سے وہ اسرار کا حامل گیا اس جہانِ آب و گل کا عارفِ کامل گیا

خاکدانِ دہر میں ملتا تجھے کیوں کر قرار
خلد میں تھا مرشد رومی کو تیرا انتظار

شوق میں تھیں جس کے اک مدت سے آنکھیں فرشِ راہ
آگیا خود آج وہ دیرینہ یار غمگسار

رومی و رازی کہیں سینا و فارابی کہیں
خیر مقدم کو کھڑے ہیں سب قطار اندر قطار

کہہ رہا ہے بیخودی میں شاعر المانوی
مرحبا اے ہمدم و ہمراز جانِ بیقرار

قدسیانِ پاک میں بھی ہے یہ غوغا چار سو
آگیا ہاں آگیا وہ لامکاں کا رازدار

قدس کی خلوت سرائے راز کا وہ پردہ در
خاکیوں کی فطرتِ بیتاب کا آئینہ دار

آگیا وہ آب و گل کا ترجمانِ خود شناس
ہوشیار اے ساکنانِ عالمِ جاں ہوشیار

آہ اے اقبال اے ملت کی جانِ آرزو
چھوڑ کر مشرق ہوا تو عازم دار القرار

بلبلِ مشرق ہوا خاموش اے واحسرتا
کس کے نغمے دیں گے اب ملت کو پیغام بہار

آہ وہ دانائے اسرارِ پیامِ صبح و شام
آہ وہ رمز آشنائے گردشِ لیل و نہار

اب کہاں ہے وہ ادا دانِ مزاجِ کائنات
اب کہاں ہے آہ وہ فطرت شناسِ روزگار

جستجوئے راز میں کل تھا وقفِ پیچ و تاب
فکر تیرا آج ہے لطفِ سکوں سے ہم کنار

تو وہاں سرخوش ہے موجِ کوثر و تسنیم سے
تشنہ کامانِ نگاہِ فیض ہیں یاں بیقرار

تو وہاں آسودۂ خلوت سرائے قدس ہے
مشرق و مغرب یہاں ہیں تیرے غم میں سوگوار

دید کے قابل ہے یہ ہنگامۂ آشوبِ غم
ہاں دمے برادر سر اکنوں ز بالینِ مزار

آج ہیں سونے پڑے حکمت کے میخانے تمام
خوں فشاں ساقی کے غم میں ہیں خم و مینا و جام

اے حیات افروزِ مشرق یہ تیری آرامگاہ
تا قیامت اب رہی گی آستانِ مہر و ماہ

لیکے سوغاتیں درودوں کی قطار اندر قطار
نوریانِ عرش اتریں گے یہاں شام و پگاہ

ہاں رہی گی حشر تک اب مہبطِ انوارِ قدس
عارفِ شوریدۂ اسلام کی یہ خوابگاہ

آسماں اس پر کرے گا گوہرِ انجم نثار
ہوں گے ذرہ ذرہ پر اس کے تصدق مہر و ماہ

چپہ چپہ ہوگا اربابِ نظر کی سجدہ گاہ
ذرہ ذرہ دیدۂ افلاک کا نورِ نگاہ

ہاں بنے گی مرکزِ بیدار گانِ علم و فن
آفتابِ جلوہ بارِ شرق کی یہ جلوہ گاہ

تھی پرے کل سرحدِ ادراک سے منزل تری
کیا خبر ہے آج کس عالم میں تیری بارگاہ

کون جانے جلوہ فرما آج کس محفل میں ہی
"گنبدِ دربستہ" کے آگے تھی کل تک تیری راہ

اب کہاں ہی آہ وہ دیوانۂ بالغ نظر
تھی فروغ انگیز مہر و ماہ جس کی گردِ راہ

ہی عرب سے تا عجم غم میں تیرے ماتم سرا
اے نوا پیرائے باغِ قدس ادھر بھی اک نگاہ

اب نہ وہ شورِ نوا ہی اور نہ پیغامِ حیات
کیا نہیں اب غم فزا اسلام کا حالِ تباہ

تیرے ماتم میں سیہ پوش آج ہی امت تمام
ہر لبِ مومن پہ جوشِ غم سے ہی فریاد و آہ

اُف مقدر تھا ازل سے یہ غمِ صبر آزما
دیکھنا تھا ایک دن ملت کو یہ روزِ سیاہ

اٹھ گیا دنیا سے وہ شوریدۂ خاکِ حرم
ہی بجا گر یثرب و بطحا ہوں وقفِ درد و غم

آہ اقبال

یونہی ہوتے رہیں حشر تک شام و سحر پیدا
نہ ہوگا اب مگر اقبال سا صاحب نظر پیدا

ملا تھا تجھ کو جو روزِ ازل فیضانِ فطرت سے
کہاں ہر پیکرِ خاکی میں وہ سوزِ جگر پیدا

نہ اٹھا پھر کوئی رمزِ انا کا عارفِ کامل
ہوا تھا ایک تو ہی خود شناس و خودنگر پیدا

تڑپتا ہی رہی گا ذرہ ذرہ خاکِ مشرق کا
تری معجز نوائی نے کیا ہی وہ اثر پیدا

دیا ہی آب و گل کو تو نے وہ درسِ جاں افشانی
کئے ہیں قطرۂ شبنم نے بھی اب بال و پر پیدا

کیا ملت کو پھر ذوقِ یقیں سے آشنا تو نے
ترے دم سے ہوئی پھر چشمِ باطن میں نظر پیدا

ہوئیں تجھ سے نوائے صبح میں کیفیتیں پیدا
دلِ درد آشنا میں لذتِ آہِ سحر پیدا

ز سرتا پا یقیں، مستِ خودی، واقفِ خود آگاہی
کہاں اب دہر میں ہوتے ہیں ایسے باخبر پیدا

"ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہی
بڑی مشکل سے ہوتا ہی چمن میں دیدہ ور پیدا" (اقبال)

مئی سنہ ۱۹۳۸ء

غمِ اقبال

اٹھا ہی کون کہ اُجڑی ہی محفلِ عالم
منا رہا ہی زمانہ یہ آہ کس کا غم

سیاہ پوش ہیں کیوں آج مشرق و مغرب
بچھی ہی کس کے لئے دہر میں صفِ ماتم

عطا ہوئی تھی جو صدیوں کی آرزوؤں سے
فغاں کہ لُٹ گئی وہ بے بہا متاعِ عجم

شراب خم کدۂ روم جس میں ڈھلتی تھی
ہزار حیف کہ، وہ بزم ہوگئی برہم
اٹھا نہ کوئی بھی تجھ سا دیارِ مشرق سے
صدائے سازو نواہائے راز کا محرم
ترا ضمیر تھا اسرار کا وہ آئینہ
کہ جس میں عکس فگن تھا رُخِ وجود وعدم
تری نظر میں تھا بے پردہ آب وگل کا جمال
تری نگاہ پہ روشن تھی فطرتِ آدم
پیام بر تھا تو دنیا میں اوج ورفعت کا
کہ تھا تو واقفِ پرواز قطرۂ شبنم
ہر ایک حرف میں تیرے تھا نغمۂ الہام
صدا سروش کی تھی یا تری نوائے قلم
حصول عظمت پارینہ کی تمنا میں
رہا ہمیشہ تو ہمت نواز "خیرِ امم"
تجھے سنائی تھی نغمے نسیم خاک حجاز
کہ تھا غلام غلامانِ سرورِ عالم
جنوں نواز تھی از بس ہوائے منزلِ دوست
اسی کے شوق میں کرتا تھا نالۂ پیہم
وہی تھی غایتِ آہ وفغانِ نیم شبی
اسی کی خاک تھی مقصود دیدۂ پرنم

کہاں ہے آج وہ سرشار دینِ پیغمبر
کہ جس کے شورِ نوا پر فدا تھی خاکِ حرم

ماتمِ کمال

اے ترک اے مجاہدِ اسلام اے کمال
ماتم میں سرنگوں ہے ترے پرچم ہلال
مرنا ترا قیامت کبریٰ سے کم نہیں
لیکر عرب سے تا بہ عجم غم سے ہے نڈھال
سارے جہاں میں ہے صفِ ماتم بچھی ہوئی
سب کو کمال غم ہے کہ ہے یہ "غم کمال"

ہستی تری تھی شرق کی وہ تیغ آبدار — حملوں سے جس کے عرصۂ مغرب تھا پائمال
بازو ترے تھے حامل سیفِ یداللّٰہی — زندہ تھی تجھ سے خالدِ جانباز کی مثال
دی جس میں شاطرانِ زمانہ کو تو نے مات — دنیا کو یاد ہے وہ تری بازیٔ قتال
لرزاں تھیں تجھ سے مشرق و مغرب کی وادیاں — پہونچا تھا چار سو ترا آوازۂ جلال
کھینچا ہے تیری تیغ نے جو نقش زندگی — اس کو مٹا سکے یہ زمانہ کی کیا مجال
وہ قوم جس پہ ملتِ مردہ کا تھا گماں — بخشی ترے نفس نے اسے روحِ لازوال
اللہ رے بہار کی معجز نمائیاں — اجڑے چمن کو از سرِ نو کر دیا نہال
سچ یہ ہے تیرے عہد نے پھر تازہ کر دیا — عثمانیوں کی عظمتِ پارینہ کا جمال

اے غازیٔ یگانۂ دیں اے فقیدِ شرق
دیکھے گی اب نہ چشمِ زمانہ تری مثال

"خطاب بہ ملّتِ افغان"

(بر واقعہ شہادت جنرل نادر شاہ مرحوم)

جو کچھ تو نے کیا اچھا کیا اے ملّتِ افغاں — ترے اندازِ ذوقِ خنجر اندازی کے میں قرباں
خبر بھی ہے کہ اس آغاز کا انجام کیا ہوگا — تری اس سعیٔ نامحمود کا انجام کیسا ہوگا
ہمیں رونا ہے اے بدبخت اس غفلت پرستی کا — بکھرنے کو ہے شیرازہ ترے اوراقِ ہستی کا

بساطِ دہر سے مٹ جائے گا نام و نشاں تیرا
زمانہ صرف رہ جائے گا اک افسانہ خواں تیرا

یہ مانا تیغ کے جوہر ہیں پنہاں تیری فطرت میں
یہ مانا جنگ کے شعلے ہیں مضمر تیری طینت میں

یہ مانا برقِ سوزاں ہے ودیعت تیری خلقت میں
یہ مانا آتشِ پیکار ہے تیری جبلت میں

یہ مانا قتل و خونریزی ہے داخل تیری سیرت میں
یہ مانا گرمیِ ہنگامہ ہے تیری طبیعت میں

یہ مانا آتشِ سیال ہے تیری رگ و پے میں
یہ مانا ہے بلا کی شورش و مستی تیری مے میں

یہ مانا تیغ کے سایہ میں تو نے پرورش پائی
یہ مانا تو نے رعد و برق سے سوز و تپش پائی

یہ مانا سرخیِ خوں سے تری تاریخ رنگیں ہے
یہ مانا تیری فطرت کا تقاضا رقصِ خونیں ہے

زبانوں پر ہے افسانہ ترے جوشِ شجاعت کا
زمانہ معترف ہے تیری ترکانہ شہامت کا

جہاں ہے لرزہ براندام تیری عسکریت سے
ہزاران دلاور کانپتے ہیں تیری ہیبت سے

مسلم ہے زمانہ میں ترا آئینِ جاں بازی
تجھے ہے جنگجو اقوام میں حاصل سرافرازی

مگر اے ملتِ خود کام یہ کس کے مقابل میں
مگر اے عبرتِ اقوام یہ کس کے مقابل میں

یہ صہبائے کہن سے آہ تیری سرخوشی کب تک
یہ فرطِ غیظ سے ظالم تیری محسن کشی کب تک

گرائی تھی جسے برقِ بلا اعدا کے خرمن پر
وہ تیغِ خونفشاں چلتی ہے اب خود اپنی گردن پر

مٹایا تو نے ظالم آہ اس غازی کی ہستی کو
بلند آکر کیا جس نے نوائے حق پرستی کو

چھڑایا تجھ کو آکر پنجۂ سفاک سے جس نے
بچایا تجھ کو اک طوفانِ خون و خاک سے جس نے

وہ غازی ڈوبتی کشتی کی جس نے ناخدائی کی
صفِ باطل سے تنہا جس نے قوت آزمائی کی

بچالی دستِ غارت گر سے تیری آبرو جس نے
خزاں دیدہ چمن کو دی بہارِ رنگ و بو جس نے

نکالا جس نے تجھ کو پستیِ قعرِ مذلت سے
نگاہیں آشنا کردیں فضائے اوج ورفعت سے

دبایا جس نے سیلاب تفرنج کے تلاطم کو
دماغوں سے مٹایا غیر کے ذہنی تحکم کو

محاسن ہی فقط حاصل کئے درس تمدن کے
نہ الجھا خار سے دامن لئے یوں پھول چن چن کے

اچھالا نام ملک وقوم کا اقوامِ عالم میں
نئے سر سے کیا شانہ وطن کی زلفِ برہم میں

نشاطِ کامرانی ہر دل افسردہ کو بخشی
بہار رنگ و بو پھر گلشنِ پژمردہ کو بخشی

ضیا اندوز تھا ذروں سے تیرے مہر نورانی
درخشاں کس قدر تھا تیرا دورِ نشاۃِ ثانی

دوبارہ اس کے دم سے قالب مردہ میں جان آئی
زمانہ کو دکھایا اس نے اعجازِ مسیحائی

شریعت پر تھا مبنی اس کا آئین جہاں بانی
دلِ بیدار تھا لذت شناسِ ذوقِ ایمانی

شعارِ دیں پر قائم اس کی تدبیر و سیاست تھی
صد لئے حق کے آگے سر بسجدہ اسکی سطوت تھی

بظاہر گرچہ وہ اجلالِ شاہانہ کا حامل تھا
حقیقت میں مگر روشن نفس درویشِ کامل تھا

زسرتاپا یقیں تھا صاحبِ ایمانِ محکم تھا
یقیناً عالمِ اسلام کا صندیدِ اعظم تھا

مدبر تھا، مفکر تھا، بہادر تھا، مجاہد تھا
سرا اورنگ قیصر تھا سر سجادہ زاہد تھا

امیر کشور جاں تھا، جہانگیر و جہاں باں تھا
بہارِ باغِ ایماں تھا چراغِ بزمِ عرفاں تھا

معارف کا مبلغ حکمت و دانش کا داعی تھا
وقار ملک و ملت کے لئے گرم مساعی تھا

وطن کا مایہ صد ناز فرزند گرامی تھا
وہ زور بازوئے اسلام تھا ملت کا حامی تھا

بظاہر گو وہ کابل کے افق پر جلوہ آرا تھا
مگر کل عالم اسلام کا روشن ستارا تھا

نہ اٹھا دورِ آخر میں کوئی عالی ہمم ایسا
نہ دیکھا تھا ابھی تک صاحب سیف و قلم ایسا

کیا حق مرتے دم تک حب قومی کا ادا اس نے
وطن کی راہ میں جانیں لڑا دیں بارہا اس نے

ہزاروں ہیں مظاہر اس کی شانِ خسروانی کی
ہیں روشن کارنامے اس کی فتح و کامرانی کی

وطن کا گوشہ گوشہ شاہد اسکی ترکتازی کا
فسانہ ذرہ ذرہ کی زباں پر دل نوازی کا

نہ دی کچھ داد تو نے آہ اس کے سعی پیہم کی
نہ جانی قدر تونے آہ اس سالارِ اعظم کی

خود اپنے ہاتھ سے وہ "ہستیِ نادر" گنوائی ہے
نظیر اس کی نہ پائے گی نہ اب تک تو نے پائی ہے

یہ ممکن ہے بھلا دے تو ستمگر اس کی خدمت کو
نہ روئے حشر تک اے قوم تو اس جانِ ملت کو

مگر تڑپے گی صدیوں موج کابل اسکی فرقت میں
وطن کی خاک لے گی اس کو آغوشِ محبت میں

عقیدت سر جگہ آنکھوں میں دے گی اسی جنرل کو
بھلائے گی بھلا تاریخ کیوں کر فاتح ٹل کو

جواب خطاب بہ ملّت افغان

روزنامہ اصلاح کابل نے ۶ جنوری ۳۴ء کی اشاعت میں نظم "خطاب بہ ملت افغان" کا فارسی میں ترجمہ چھاپا اور اس کے جواب میں کابل کے ایک نامور شاعر سرور خاں صبا نے "جواب خطاب بہ ملت افغان" لکھ کر روزنامہ مذکور میں شائع کیا۔ اس جواب کے جواب میں میں نے شرح خطاب بہ ملت افغان لکھی جو آئندہ صفحات میں درج ہے۔ پہلے صبا صاحب کے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں، جن سے ان کا مفہوم آشکارا ہوگا۔

جہاں شد پر تاسف اے خدا بر داغ ناسورم
بسوزد مہر و مہ را دل بحال چشم بے نورم

مصیبت دیدہ ام جاں رفتہ از کف زار و مہجورم
دریں عالم نہ باشد جز فغان و نالہ منظورم

جدا شد از برِ ما گوہر نایاب و طاقت ہم
دلم را سوخت ہجراں جان زارم را شماتت ہم

فلک بر ما عجب زد دغا را باختی آخر　　تو ما را زخمی تیرِ ملامت ساختی آخر
بحال خویش ما را یک دمے نگذاشتی آخر　　ندانستم زہیزنگت چہ سودے داشتی آخر

نمودی کشور ما را سرائے شیون د ماتم
نمودی درجہاں ما را عجب افسانۂ عالم

عزیزاں عالم ہجراست دچوں آئینہ حیرانم　　کباب داغِ ماتم شمعِ بزم سوگوارانم
سپندِ مجمر در دم زبانِ آہ وافغانم　　چونے فریاد می خیزد دمادم از رگِ جانم

بجا باشد کہ گویم شکر لطف غم شریکاں را
بجاں منت شناسم التفات دوستداراں را

بہ اعظم گڈھ معارف تا قیامت جلوہ گر بادا　　ہمیشہ با سلیماں خاتم و تختِ ہنر بادا
کمال لطف یحیائے سخنور بیشتر بادا　　مرایں طوطی ہندی را دہاں تنگ شکر بادا

سرودہ نوحۂ جانکاہ برائے خسروِ لائق
ولے کردہ خطاب قتل شہ بر ملتِ صادق

ہمی شاید حقیقت را نوسیم بر جنابِ دی　　زنم از دیدہ آبی بر دل آتش منابِ دی
گذارم مرہمے بر سینۂ ریش کباب دی　　کنم از اشکِ افغاں منطفی آں التہاب دی

که هم بزم پریشانی پریشاں می تواں گفتن!
به سودا روز روشن شامِ هجراں می تواں گفتن

زباں تا چند باشی در خموشی نطق و تقریرے
ندارد طاقتِ گفتن زباں اے خامه تحریرے

چو در کارِ قضا بر ملت ما نیست تقصیرے
ز آهِ خلق می خواهم کنوں امداد تاثیرے

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
دگر دم در کشم ترسم که مغزِ استخواں سوزد

چو ممکن نیست بارے دم زدن در عالمِ مکاں
کند تدبیر را تقدیرِ ایزد تابعِ فرماں

دریغا از دُرِ دُرّانیاں و گوهرِ افغاں
که گشته همچو گنجِ شائگاں از دیدگاں نهاں

دریں کارِ قضا هرگز قصورِ ملک و ملت نیست
وفادار است ملت جانی و اهلِ خیانت نیست

اگر بوده یکے از فردِ ملت قاتلِ بے عار
کجا دارد کسے یاراں سراغ گلشنِ بے خار

نباشد بے وجود خوب دید دنیائے حیرت بار
کم است اشخاص بد در ملتِ ما خوب شد بسیار

همی خواهد چو جانِ خویش ملت اهلِ خدمت را
نمی بیند بچشمِ کینه اربابِ صداقت را

اگر در رفت از کف بے بدل دُردانه داریم
پریشاں می نگردد زلف ما چوں شانه داریم

بقلبِ ایشیا در دهر از خود خانه داریم
به اوج خود ز گیتی گوش در افسانه داریم

بود سالِ نگورا ظاهرِ آثار بہارانش
خوش آں زخمے کہ باشد مرہمے ظاہر بہ درمانش

شرحِ خطاب بہ ملّتِ افغان

نہ تنہا بودہ آتش بجاں اے قومِ غم خوارم ۔ کہ از سوز دروں من ہم فغاں سنج و دل افگارم
نہ تنہا نالۂ غم سرکنی در عالمِ ہجراں ۔ کہ از جوشِ غمت چشمِ جہانے گشتہ خوں افشاں
غمت تنہا غمِ تو نیست ہاں اے ملت محزوں ۔ یقیں داری کہ قلب ایشیا از صدمات شد خوں
سحر صبحِ مسرت گر بہ چشمت شامِ ہجراں شد ۔ کہ آں مہرِ وطن افروز زیرِ خاک پنہاں شد
دریغا در دمے ماتم سرا بزمِ عزیزاں شد ۔ کہ از یک موج صرصر کشتہ آں شمعِ فروزاں شد
بہ ایں الطاف و اخلاصت چہ شکر اے مہرباں گویم ۔ نمی دانم چہ گویم، چند گویم یا چساں گویم
معارف با سلیماں مخزنِ علم و ہنر بادا ۔ بہ بزمِ تو سلیماں با معارف جلوہ گر بادا
ہمیشہ آں بہ استقلال تو وقفِ دعا بادا ۔ ہمیشہ ایں بہ شمعِ علم و عرفاں رہنما بادا
الٰہی تا سلیماں خسرو ملکِ ہنر باشد ۔ صبا تختِ کمالش را بجائے بال و پر باشد
بنازا اے قوم تو ہم سرورِ[1] شیریں بیاں داری ۔ بنازا اے قوم تو ہم طوطیِ شکر فشاں داری
بہ آں بوئے دل آویزِ تو اے موجِ صبا رقصم ۔ ق ۔ بہ فرطِ بیخودی با آں شمیمِ جاں فزا رقصم

[1] سرور خاں صبا

کزاں گلزارِ حریت بہ ہندوستاں فرستادی — قفس پروردہ را از چمن ریحاں فرستادی

بہ مہر و التفاتِ خاص لطفِ تازہ فرمودی — بہ نیلیاں یک گدائے بینوا را پایہ افزودی

ثنا سایانہ فرمودی شریکِ ماتمِ خویشم — نہادی از تلطف مرہمے بر سینۂ ریشم

زفیضِ ہم نوائی بر فلک بردی فغانم را — بہ آبِ دیدہ شستن خواستی داغِ نہانم را

بخود بالم کہ در چشمِ عزیزاں عزتے دارم — ہمی نازم کہ با تو ارتباط و نسبتے دارم

دلے با ایں تفاخر می خلد در سینہ ام خارے — کہ داری از نوائے آتشینم درد آزارے

بہ سمعِ نازکت طرزِ فغانم ناصواب آمد — ترا ناخوش گوار از بندہ اندازِ خطاب آمد

دریں ہنگامۂ غم عذرِ من باشد کہ بپذیری — کہ باشد تلخی طرزِ فغاں از فرطِ دل گیری

چہ گونہ بر جہد از سینہ ام آہنگِ شادابے — کہ دارم یک دلے دردآشنا و جانِ بیتابے

ہزاراں برقِ مضطر می طپد اندر رگِ جانم — دلے دارم کہ از فیضش سراپا شمعِ سوزانم

دلے دارم کہ دارد اضطرابِ برقِ بیتابے — دلے دارم کہ دارد از ازل تقدیرِ سیلابے

دلے دارم کہ از سوزِ نہانش دمبدم سوزد — دلے دارم کہ شمعِ درد از دودش بر افروزد

دلے دارم کہ از فیضِ جراحت ہاست سیپارہ — دلے دارم کہ برقِ بیقرارے راست گہوارہ

دلے دارم کز اشک و داغِ حسرت آب و گل دارد — دلے دارم کہ ہر داغش جہانے مشتعل دارد

دلے دارم کہ از خونِ جگر لعل و گہر باشد — دلے دارم کہ از سوزِ نہاں برق و شرر باشد

دلے دارم کہ صد مشقِ شکستن آرزو دارد — دلے دارم کہ از خونِ تمنا رنگ و بو دارد

دلے دارم کہ یک گنجینۂ مہر و وفا دارم — دلے دارم کہ یارب یک متاعِ بے بہا دارم

نمی دانی مگر تو آہ آں جوشِ عقیدت را — نئی آگاہ آں کیفیت دردِ محبت را

که در قلبِ حزینم داشتم با آں شهٔ غازی — که در راهِ وطن کرده بجان خویشتن بازی

چه گویم تا چه با من کرد آں اندوهِ جانکاهی — کے از شدتِ دردِ نہانم نیست آگاہے

دراں عالم که رخصت شد ز دل صبر و شکیبائی — دراں عالم که می کردم زخوں پیمانه پیمائی

سرودم از سرِ سوز و گداز آں نالهٔ خونیں — که جیب و آستینم شد ز لعلِ بے بہا رنگیں

تو طعن انگاشتی آں نالهٔ بے اختیاری را — ملامت برشمردی آں فغانِ اضطراری را

خطاب ار با تو کردم چارهٔ دیگر نه دانستم — که شرحِ درد را شکلے ازیں بہتر نه دانستم

چو از قومے یکے بیدانشی کرد "ایں نمی دانی — چه فرمودست سعدی مصلحِ اخلاقِ انسانی

دلم می سوزد اے ملت کنوں بر ابتلائے تو — مگر حاشا که شک دارم به آئینِ وفائے تو

اگر در ماتمِ تو ناله می کردم ملامت کو — اگر با تو ہم آہنگِ فغاں گشتم شماتت کو

کجا در شورِ ماتم امتیازِ نیک و بد ماند — کجا در جوشِ غم خودداری ہوش و خرد ماند

گذشت آنچه گذشت اکنوں دعائے خیر می گویم — که می جوشد دعا از بہرِ تو از ہر بنِ مویم

خدا محفوظ دارد مر ترا از فتنهٔ دوراں — نه بازد بازی دیگر کنوں ایں گنبدِ گرداں

ز نیرنگِ جہانت حفظِ ایزد پاسباں باشد — دگر از فتنهٔ ایام ملت را اماں باشد

ہمیشه مست و سرشارِ حبِ وطن باشی — به کامِ دوستاں در راهِ الفت گامزن باشی

به فرقِ دشمنانِ دین و ملت تیغ زن باشی — به چشمِ شوخِ اعدائے وطن ناوک فگن باشی

بہر حال آبروئے ملک و ملت را نگه داری — وقارِ باستانِ زاد بومت را نگه داری

معطر سازی از عطرِ وفا بزمِ اخوت را — ز سر تازه نمائی رسم و آئینِ محبت را

گرت یک گوہرِ شہوار از کف رائیگاں باشد
بحمداللہ کنوں ہم با تو گنج شائگاں باشد

زہے آں تابشِ دریتیم و گوہرِ نادر
کہ از فیضِ وجودش دولت بیدار شد ظاہر

مبارک آں فروغ کشور و آں نازشِ ملت
مبارک آں جواں بخت و جواں سال و جواں ہمت

بہ مشرق آفتابے تازہ کردند ارزانی
کہ از کابل بہ عالم می نماید لمعہ افشانی

الٰہی ایں سر برآرائے افغاں کامراں باشد
بہ دہر ایں نیر رخشندہ دائم ضو فشاں باشد

بہار ایں چمن از فیضِ ایں گل جاوداں بادا
صبا از موجِ بویش ہمچنیں عنبر فشاں بادا

محشرستان کوئٹہ

کہاں ہیں بادۂ عشرت کے متوالے ادھر دیکھیں
یہ درد انگیز نظارہ بھی آ کر اک نظر دیکھیں

سنی جاتی نہ ہو یہ داستانِ غم مگر سن لیں
نہ دیکھا جائے گو یہ منظرِ خونیں مگر دیکھیں

قیامت آگئی آنے سے پہلے آہ کوئٹہ میں
نگاہیں ہوں تو آ کر منکرینِ دیدہ ور دیکھیں

خدا کی شانِ قہاری کے جو اب تک نہ تھے قائل
وہ آئیں اور اس کو اس زمیں پر جلوہ گر دیکھیں

فنا کر دے جو دم بھر میں نظامِ عالمِ امکاں
یہ اک ہلکا سا اس شانِ جلالی کا اثر دیکھیں

جسے انساں نے ناقابلِ تسخیر سمجھا تھا
اسے قہرِ خداوندی سے اب زیر و زبر دیکھیں

وہ شہرستانِ رنگیں جو حصارِ عسکریت تھا
اسے اب کشتگانِ بے کفن کا مستقر دیکھیں

وہ معمورہ جو ہنگاموں سے کل تک شور انگیز تھا
دریغا آج اسے شہر خموشاں کا کھنڈر دیکھیں

جہاں کل قصر و ایوان دیکھتے تھے اب وہیں آکر
چھتوں کو ڈھیر دیکھیں اور دیواروں کو در دیکھیں

وہ شہر خوش سواد ہند جو آباد تھا کل تک
اسے اب خونچکاں لاشوں سے ہم آباد تر دیکھیں

فضائے چرخ میں جن کے اڑا کرتے تھے طیارے
انھیں خود اپنے گھر میں طائر بے بال و پر دیکھیں

وہ خاکِ لالہ خیز اٹھتی تھیں جس سے رنگ کی موجیں
اسی کو گل رخوں کی موج خون سے آج تر دیکھیں

وہ نازک طبع جن کو عطر گل بھی ناگوار تھا
انھیں سر تا قدم آلودۂ خونِ جگر دیکھیں

قیامت ہے کہ خون و خاک کے مدفون خزانوں میں
خزف ریزوں سے بڑھ کر بے بہا لعل و گہر دیکھیں

غضب ہے برگ گل سے نرم و نازک آبگینوں پر
ستم کے ساتھ پیہم بارشِ سنگ و حجر دیکھیں

کہیں سیمیں عذاروں پر لہو کی چادریں پائیں
کہیں رنگیں رخوں پر غازۂ خونِ جگر دیکھیں

فدا رہتی تھیں جو ہر وقت اپنے نونہالوں پر
انھیں ماؤں کو اب بچوں سے اپنے بےخبر دیکھیں

تڑپتا ہے جہاں لاشہ پسر کا خاکِ خونیں میں
پدر کو بھی وہیں بیگانۂ جانِ پدر دیکھیں

کسی کو اب کسی کی لاش پر محو بکا پائیں
کسی کو اب کسی کی خاک پر آشفتہ سر دیکھیں

کسی کے اشک خون میں پارہ ہائے دل نظر آئیں
کسی کے آنسوؤں میں سرخیِ خونِ جگر دیکھیں

سنے جاتے نہیں ان بیکسوں کے نالۂ خونیں
یتیموں کو کہاں تک اے خدا اب نوحہ گر دیکھیں

قیامت ہے کہ مظلوموں کے نالے نارسا پائیں
قیامت ہے کہ معصوموں کی آہیں بے اثر دیکھیں

رولاتا ہے کہاں تک اب ہمیں یہ خون کے آنسو
دلِ محزوں سے کب مٹتا ہے یہ داغِ جگر دیکھیں

یہ آواز آرہی ہے خاکِ گلگونِ شہیداں سے
ادھر بھی چشمِ عبرت سے ذرا اہلِ نظر دیکھیں

ہوا ہی جو ہمارا حشر اس دنیائے فانی میں
نگاہِ دیدۂ دل سے اسے اب دیدہ ور دیکھیں

جو کچھ گذاری ہے ہم پر بیخودیِ خوابِ راحت میں
اے خم خانۂ عشرت کے مست و بیخبر دیکھیں

جنھوں نے باغِ ہستی میں ہمیں خوش کام دیکھا ہے
ہمارا آخری انجام بھی با چشمِ تر دیکھیں

نشاطِ زندگی کے پوجنے والے ادھر آئیں
حیاتِ عنصری کی ہستی نامعتبر دیکھیں

یہاں اربابِ دل لیکر متاعِ درد و غم آئیں
تماشا گاہِ عبرت ہی یہاں با چشم نم آئیں

ماتمِ فانی

رہروِ عالمِ باقی ہوئی جانِ فانی
آج ماتم کدہ ہی بزمِ جہانِ فانی

کام کر ہی گئیں اُف بادِ فنا کی موجیں
حیف خاموش ہوئی شمعِ زبانِ فانی

اٹھ گیا غم کدۂ دہر کا وہ بانیٔ غم
کھینچ دیتا تھا جو تصویرِ جہانِ فانی

دے گا داد اس کی نواؤں کی جہانِ باقی
دارِ فانی میں کہاں مرتبہ دانِ فانی

میر و غالب سی کوئی خلد میں جا کر پوچھے
احترام و ادب و عظمتِ شانِ فانی

ہوگئی بزمِ سخن کیفِ اثر سے محروم
اب غزل میں وہ کہاں سوزِ نہانِ فانی

بزمِ امکاں میں کہاں سب کو وہ ہوتا ہی عطا
لذتِ اندوز تھی جس درد سے جانِ فانی

زہرِ غم اس کے لئے آبِ بقا سے بڑھکر
تھا یہی زندگیِ روحِ روانِ فانی

ترجمانِ غمِ ہستی ہی رہی تا دمِ مرگ شعلۂ غم سے بجھی تھی جو زبانِ فا

اس کا ہر نقش ہی سرچشمۂ صد موجِ حیات نہیں مٹنے کا زمانہ سے نشانِ فا

کارفرما ہیں فضاؤں میں جو اس کے نغمے
آج تک وجد میں ہی کون و مکانِ فانی

عہدِ حَاضِر

کے

اعاظم رجال

نذر تہنیت

بہ تقریبِ صحت یابی حضرت علّامہ سید سلیمان ندوی

نسیمِ صبح گاہی عطر بیز و مشکبار آئی
بحمد اللہ گلزارِ معارف میں بہار آئی

رُخِ اقدس سے اک موجِ تبسّم عاریت لیکر
لبِ ہر غنچہ تک موجِ صبا مستانہ وار آئی

دعاہائے سحر گاہی میں وہ تاثیر پنہاں تھی
اجابت بارگاہِ کبریا سے بیقرار آئی

زبانِ سبزہ و گل پر یہی پیہم دعائیں تھیں
خوش آں روزے کہ دیگر بہر سیرِ لالہ زار آئی

یہی مستِ نگاہِ فیض مشتاقانہ کہتے تھے
زہے ساعت کہ در بزمِ رفیقاں جلوہ بار آئی

خدائے دو جہاں نے آپ کو کامل شفا بخشی
بحمد اللہ موافق گردشِ لیل و نہار آئی

عقیدت کے صحیفہ کی ابھی تکمیل کرنی تھی
بقائے ذاتِ سامی کی مشیئت ذمہ دار آئی

ازل سے آستاں بوسی شہنشاہِ رسالت کی
زہے قسمت کہ زیبِ خامۂ سیرت نگار آئی

زبس مطلوب تھی قدسیوں کو آپ کی صحت
بشارت لے کے شانِ رحمتِ پروردگار آئی

دوا کے ساتھ پیہم یہ ہی دعائے دردمنداں بھی
نویدِ رحمتِ قدوس بن کر سازگار آئی

عقیدت سرورِ عالم کی خدمت علم و مذہب کی
ترے سیمائے روشن کیلئے آئینہ دار آئی

نہ تنہا فرش پر ہم خاکیوں نے التجائیں کیں
دعائے نوریانِ عرش بھی بر روئے کار آئی

حریم قدس کے پردے سے اس تقریب صحت پر
صدا صلی علی و مرحبا کی بار بار آئی

ہوئے پھر جلوہ آرا آپ بزم علم و عرفاں میں
نگاہِ شوق پھر ہر سمت سے پروانہ وار آئی

تماشائی تواں کردن بہار گلشن خود را
کنوں وقتست اے شبلی کہ بیروں از مزار آئی

بلے زیبد اگر اے ساقیٔ خم خانۂ عرفاں
کنوں از مقدمِ خود بزم سرمستاں بیارآئی

رہو تا دیر قائم اے خلف ظل سلیمانی
زبانِ خامہ پر اب یہ دعائے اختیار آئی

رہیں مامون یہ مسند نشینِ حضرتِ شبلی
کہ ان کی ذاتِ والا انتخابِ روزگار آئی

یہی ہیں درحقیقت باغبانِ گلشنِ شبلی
ابھی آتی ہی ان سے نکہتِ پیراہنِ شبلی

اعتراف کمال سلیمانی

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے علامہ سید سلیمان ندوی کی خدمت میں ڈاکٹر آف لٹریچر کی اعزازی ڈگری پیش کر کے اپنی عزت بڑھائی۔ یہ نظم اسی تقریب سے متعلق ہی۔

سلیمانِ دیارِ علم کی پایہ شناسی پر
علی گڑھ کو مبارکباد دوں یا ذاتِ سامی کو

مرے نزدیک اس تبریک کے خود مستحق وہ ہیں
ہی پہچانا جنھوں نے آپ کی شانِ گرامی کو

بحمداللہ سمجھا اب خردمندانِ حاضر نے
جہاں علم و فن میں آپ کی عالی مقامی کو

جسے حاصل ہو طغرائے شرف سیرت نگاری کا
ضرورت کیا کسی اعزاز کی اس نامِ نامی کو

اے مدح جہاں کی کیا تمنا جس کو فطرت نے
کیا ہو منتخب خود مدح سرکارِ تہامی کو

اے ہم ہندیوں کے نغمۂ تحسین کی کیا پروا
شرف جس کا مسلّم ہو ہر اک مصری و شامی کو

خوشا وہ بندۂ مقبول جس نے روزِ اوّل سے
بنایا ہو شعار آقائے یثرب کی غلامی کو

ملائک جھومتے ہیں عرش پر جس وقت سنتے ہیں
صریرِ کلک کے آوازۂ معجز کلامی کو

وہی زورِ قلم بخشا وہی حسنِ رقم بخشا
مشیت نے چنا استاذ کی قائم مقامی کو

وہ عمان الحکم وہ ساقی خم خانۂ شبلی
بجھایا جس نے اربابِ ہنر کی تشنہ کامی کو

خدا محفوظ رکھے تا ابد آسیبِ دوراں سے
معارف کے نگہباں حکمت و دانش کے حامی کو

امام الہند
کا
مقامِ بلند

کیا ملت کو صوتِ سرمدی سے آشنا جس نے
دلِ مسلم کو بخشی لذتِ ذوقِ انا جس نے

وطن کو دی جہادِ سرفروشی کی صلا جس نے
سنائی کاروانِ قوم کو بانگِ درا جس نے

وہ فخرِ ہند امام الہند کی ذاتِ گرامی ہے
حقیقت میں یہ سب فیضِ نوائے بوالکلامی ہے

یہی اب ہند میں وہ آخری شمع ہدایت ہی
منوّر جس کی نور افشانیوں سی بزم ملت
نکات آموز حکمت ہی حیات افروز امت ہی
سراپا دعوت وارشاد وپیغام وعزیمت ہی

وہی برق تجلی مضطرب ہی ان کی مینا میں
کہ جس کی ایک موج آتشیں مضطر تھی سینا میں

یہ عالمگیر ذوقِ حریت کی گرم بازاری
وطن کی راہ میں یہ سرفروشی یہ جگرداری
نظر آتے ہیں ملت میں جو یہ آثار بیداری
اسی ساقی کے صہبائے کہن کی ہی یہ سرشاری

نہاں وہ کیف ہی ان کی شرابِ روح پرور میں
کہ خود موجیں تڑپتی ہیں وطن کے جام وساغر میں

فضا میں گونجتا ہی آج تک شورِ کمال انکا
خطیبانہ جلال ان کا ادیبانہ جمال انکا
دلوں پر آج تک ہی ثبت نقشِ الہلال انکا
ابھی تک چھا رہا ہی ہر طرف سحرِ حلال انکا

وہ اندازِ خطابت وہ ادا شیریں مقالی کی
قسم کھائے نہ کیونکر آسماں شانِ جمالی کی

ہر اک حرف آپ کا توحید وسنت کا فسانہ ہی
ہر اک لفظ آپ کا اسرار وحکمت کا خزانہ ہی
مزاج فطرتِ آزاد یکتائے زمانہ ہے
خطاب ودعوت وارشاد یکسر ملہمانہ ہی

نہیں یہ نغمہ جاں آفریں پیغام ہی یکسر
صریر خامہ رنگیں نہیں الہام ہی یکسر

فدا ہی ایک عالم آپ کے نطقِ گرامی کا
جہاں ہی شیفتہ طرزِ نوائے بوالکلامی کا

سپہرِ چار میں تک غلغلہ معجز کلامی کا ہی آوازہ فضائے قدس تک عالی مقامی کا

یہ عظمت اللہ اللہ آپ کے نقشِ کفِ پا کی

قدم لیتی ہیں آکر رفعتیں بام ثریا کی

ہر اک انداز میں اک خاص شانِ امتیازی ہے تواضع میں بھی پیدا اک کمال سرفرازی ہے

خطابت کی اداؤں میں وہ طرزِ سحر سازی ہے کہ اک عالم قتیلِ شیوہ جادو طرازی ہے

شہیدِ لغز گفتاری وطن کا ذرّہ ذرّہ ہے

گواہ آبیاری اس چمن کا ذرّہ ذرّہ ہے

بلندی بارگاہِ قدس سے انکو ودیعت ہے یہ رفعت یہ علوئے مرتبت فیضانِ فطرت ہے

ازل ہی سے مزاج طبع عالی میں جلالت ہے فخامت ہے زعامت ہے ریاست ہے امارت ہے

ہوئے ہیں آپ ملت کی امامت کے لئے پیدا

ہدایت کے لئے پیدا، قیادت کے لئے پیدا

انھیں سے اب ہے تازہ عظمت دیرینہ ملت انھیں سے آج بھی معمور ہے گنجینۂ ملت

مجلّا ہے انھیں کے فیض سے آئینۂ ملت ہے اک گنجینۂ اسرار و حکمت سینۂ ملت

یہی اسلاف کے ہیں وارثِ مجد و شرف باقی

انھیں کے دم سے ہیں اب تک روایات سلف باقی

یہی اب ہند میں سرمایۂ نازِ مسلماں ہیں متاعِ دین و ایماں آرزوئے علم و عرفاں ہیں

یہی گنجینہ اسلافِ امت کے نگہباں ہیں یہی دانائے اسرار و رموز علم قرآں ہیں

انھیں کے دم سے ہو اب ہند میں شمعِ کہن روشن
انھیں کی جلوہ افشانی سے ہو بزمِ وطن روشن

یہی مذہب کے مرشد ہیں یہی ملت کے رہبر بھی
یہ گنجور معارف ہیں حقائق کے سمندر بھی

امام دین و ملت بھی وطن کے میر لشکر بھی
مسلمانوں کے اجمل بھی ہیں انصاری بھی جوہر بھی

فلک ہم سے نہ چھینے یہ متاعِ بے بہا یارب
رہی ضو آفریں تا دیر یہ شمعِ ہدیٰ یارب

قصیدہ

بہ تقریب تاسیس شبلی انٹر کالج اعظم گڈھ

بہ پیش گاہ

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی

تجلی کس کے رُخ کی آج سرگرمِ نوازش ہو
کہ محفل میں ضیا و نور کی ہر سمت بارش ہو

نہ تنہا ضو فشاں اس شمع سے یہ بزمِ دانش ہو
جہانِ علم و فن کا ذرہ ذرہ غرقِ تابش ہو

چراغِ دودۂ افغاں فروغِ دیدۂ شرواں
وہ جس کی ذاتِ بابرکت پہ نازاں خاکِ ہندستاں

ادیب نامور یا یہ شناسِ عظمتِ شبلی
نگاہِ مست جس کی بادہ ریزِ حکمتِ شبلی

وہ یار نکتہ پرور وہ حبیب حضرتِ شبلی
ابھی آتی ہو جس کے پیرہن سے نکہتِ شبلی

انھیں اب دیکھ کر محفل میں یارب کس کی یاد آئی
کہ چھوٹا ہاتھ سے سررشتہ صبر و شکیبائی

وہ اپنے عہد کا ہم پایۂ رازی و غزالی   متاع نازشِ اسلاف جس کی حکمتِ عالی
وہ جس کے دم سے روشن محفل سرسید و حالی   ہوا صد حیف اس یوسف سے کنعانِ وطن خالی

وہ محفل ہے نہ ساغر ہے نہ صہبا ہے نہ ساقی ہے
فقط رندوں میں اس دورِ کہن کی یاد باقی ہے

اسی کا ایک پرتو ہے یہ بزم علم و عرفاں بھی   اسی کا ایک جلوہ ہے وطن کا یہ دبستاں بھی
اسی کے نامِ نامی سے ہے یہ مشہور دوراں بھی   اسی کے فیض سے ہے آج اس عزت کے شایاں بھی

کہ یہ اوجِ ہنر کا ماہِ نو اب بدر کامل ہے
بحمداللہ کالج کا لقب اب اس کو حاصل ہے

دکھایا خوبی قسمت نے یہ روز سعید اس کو   ملی گنجینہ ہائے علم و دانش کی کلید اس کو
مبارک آج کالج تک ترقی کی نوید اس کو   مبارک ہر طرف سے بزم میں شورِ نشید اس کو

دعا ہے اے خدا یہ دور اس کو سازگار آئے
ہمیشہ اس چمن میں یونہی پیغامِ بہار آئے

بحمداللہ پس از عمرِ دعا و سعی امکانی   بر آئی آرزوئے حضرتِ شبلی نعمانی
عجب کیا ہے جو محفل پر ہے طاری کیفِ وجدانی   زبانِ حال سے کوئی ہے محو تہنیت خوانی

ہی مصروفِ ترنم وہ لبِ رنگیں نوا پیہم
چلی آتی ہی مرقد سے صدائے مرحبا پیہم

وطن والو مبارک علم و فن کا یہ چمن تم کو
نوائے آفریں صد آفریں اے جانِ من تم کو
مبارک باد دینے آئے ہیں اربابِ فن تم کو
دعائیں دے رہا ہی آج یہ پیرِ کہن تم کو

کہ تم نے حسرتِ دیرینۂ شبلی نکالی ہے
وطن میں اک نئے دانش کدہ کی طرح ڈالی ہے

دعا یہ ہی پھلیں پھولیں تمہارے نونہال آ ہیں
دکھائیں چہرۂ زیبائے دانش کا جمال آ ہیں
سلف کی طرح پھر پیدا ہوں اربابِ کمال آ ہیں
عجب کیا ہی کہ پھر زندہ ہو شبلی کی مثال آ ہیں

وطن کا نام پھر اک بار دنیا میں اچھل جائے
خداوندا مرے دل کی یہ حسرت بھی نکل جائے

بنا دارالعلومِ قوم کی اور دستِ شروانی
مزارِ پاکِ شبلی کے قریں یہ جلوہ سامانی
جو سچ پوچھو تو یہ بھی ہی کسی کا فیضِ روحانی
نظر آتا ہی اسمیں بھی ہمیں اک ربطِ پنہانی

یہ تھا مقصود اس تقریب سے یارِ حبیب آئے
برائے فاتحہ شبلی کے مرقد کے قریب آئے

ہماری بزم میں یہ آپ کی تشریف فرمائی
حقیقت میں دیارِ یار کی ہی جادہ پیمائی
رُخِ اقدس کا اللہ رے یہ فیضِ جلوہ آرائی
وطن کا ذرہ ذرہ بن گیا چشمِ تماشائی

کہ علم وفضل و دانش کا یہ زیبا پیکر اقدس
ہی سر تا پا جمال ہم نشیں کا مظہر اقدس

سلف کی یادگار آخریں ہی آپ کی ہستی
مثال زہد عہد اولیں ہی آپ کی ہستی

وطن کی بزم میں شمع یقیں ہی آپ کی ہستی
فروغ مسند ارباب دیں ہی آپ کی ہستی

کہاں اس دین و دانش کی مثال اب عہد حاضر میں
کہاں اب ایسے ارباب کمال اس دور آخر میں

ایک عالمِ ربّانی
کی
اسارت

یہ کس کا حجرۂ زنداں بنا ہی آج نورانی
ملک بھی ہیں طوافِ شوق میں گرم پرافشانی

جدھر دیکھو در و دیوار پر موجِ تجلی ہے
نظر آتی ہی یہ کس کے رُخِ اقدس کی تابانی

جہانِ جور و استبداد کو کوئی خبر کر دے
حسین احمد ہوئے پھر خوبیٔ قسمت سی زندانی

وہ جس کی زندگانی کا شرف ہو اسوۂ یوسف
اسے ہوگی بھلا کیا سجن و زنداں سے پریشانی

پرستارانِ حق گھبرائیں کیوں اس یوسفستاں سے
یہ زنداں تو رہا ہی جلوہ گاہِ ماہِ کنعانی

کبھی اس کلبۂ احزاں میں بھی گر دیکھئے جا کر
وہی ہونٹوں پہ ہی موجِ تبسم ہائے پنہانی

ہجوم ابتلا میں بھی ہے وہ اللہ کا بندہ
تبسم برلب و خندہ جبین و خندہ پیشانی

وہی ہے شیوہ صبر و رضا کی جلوہ فرمائی
متاعِ فقر و استغنا کی یعنی ہے فراوانی

فقط اک بوریائے فقر ہے اور گوشۂ زنداں
بسر کرتے ہیں یونہی زندگانی حق کے زندانی

مبارک سرخوشانِ عیش کو کاشانۂ راحت
مجاہد کے لئے زیبا نہیں ذوقِ تن آسانی

صحابہ کی حیاتِ پاک کو اس نے نہیں جانا
حقیقت میں یہ شانِ زندگی جس نے نہ پہچانی

وہ جس کی خلوتِ شب کی بدولت اب بھی ہے تازہ
گدازِ بوذر و عشقِ اویسؓ و سوزِ سلمانیؓ

نگاہیں ہوں تو آکر دیکھئے اس ذاتِ اقدس میں
جمالِ رحمۃ اللعالمیں کی پرتو افشانی

وہ سینہ ہے کہ گنجینہ ہے اخبارِ پیمبر کا
وہ سیما ہے کہ آئینہ انوارِ ربّانی

تعالی اللہ وہ رخشندہ و تابندہ پیشانی
جسے دیکھو تو ہو جاتا ہے تازہ ذوقِ ایمانی

پہنچ کر بزمِ اقدس میں نگاہیں محوِ حیرت ہیں
فرشتہ ہے یہ کوئی سامنے یا شکلِ انسانی

وہ زاہدات کا دن کا مجاہد شان ہے جسکی
نظر آتا نہیں اس عہد میں اس کا کوئی ثانی

وطن کا میرِ لشکر پیرِ دانا بزمِ قومی کا
مسلماں کا امام و مقتدا و شیخ لاثانی

زعیم ملک وہ فخرِ وطن وہ نازشِ ملت
سیاست جس کی اسلامی فراست جس کی ایمانی

شعار اس کا بزرگانِ سلف کا زہد و تقویٰ ہے
جہاد اس کا نہیں پابندِ قیدِ سبحہ گردانی

جدا ہے رسم و راہِ خانقاہی سے طریق اسکا
زمانہ سے الگ ہے اس کا آئینِ خدادانی

وہ مستِ بادۂ عرفاں ہے جس کی روحِ اسلامی
وہ نازِ بوذر و سلماں ہے جس کا ذوقِ لمانی

وہ جس نے مدتوں اس آستاں کی خاک چومی ہے
وہ جس نے کی ہے برسوں روضۂ اقدس کی دربانی

نہ دیں کیوں اہلِ ملت دیدہ و دل میں جگہ اسکو جسے حاصل ہوئی ہو یثرب و بطحا کی مہمانی
نگاہوں میں ابھی تک برق ایمن کی تجلّی ہے دلِ روشن میں ہے شمعِ حرا کی پرتو افشانی
یقیں جس کو نہ ہو وہ آکے دیکھے چہرہ انور عطیہ ہے اسی دربار کا وہ داغ پیشانی
قسم اسلاف کے ذوقِ جہاد و زہد و تقویٰ کی یہی اس عہد میں ہیں حاملِ پیغامِ ربانی

یہی اب عالمانِ دینِ ربانی کے خاتم ہیں
یہی اب یادگارِ محفلِ محمودؒ و قاسمؒ ہیں

اقبالِ ملّت

خطاب بہ شاعرِ حکیمِ ہند

اے حکیم نکتہ داں اے عارفِ روشن رواں
اے ادیبِ خوش نوا اے شاعرِ جادو بیاں

اے جلیسِ بزمِ قدس اے محرمِ کرّوبیاں
اے قرینِ ماہ و خور اے رہ نوردِ آسماں

اے مکینِ لامکاں اے خاکیِ گردوں نشیں
اے شرف بخشِ زماں اے مایۂ نازِ زمیں

تیری عظمت ہی ملائک کے لئے رشک آفریں
تیری رفعت پر تصدق رفعتِ چرخِ بریں

تیری آب و گل میں ہی بال و پرِ روح الامیں
تیری بزمِ دل میں ہی پرتو فگن شمعِ یقیں

تیرے بال و پر بنے ہیں اوجِ طوبیٰ کے لئے
فطرتِ روشن تری بزمِ تجلّی کے لئے

ہی ترے شایانِ شاں ذوقِ ہوائے لامکاں
ہاں تجھے زیبا ہی پروازِ فضائے لامکاں

ننگ ہی فطرت کو تیری یہ حضیضِ خاکداں
پست ہی رفعت کو تیری یہ فرازِ آسماں

فرش سے لے آرزوئے مہر و ماہ و کہکشاں
جادہ پیما عرش پر ہوتا ہی تیرا کارواں

کس جہاں کا تو ہی رہرو تیری منزل ہی کہاں
جس کی تو شمعِ فروزاں ہی وہ محفل ہی کہاں

ہاں تری اس سعیِ بے پایاں کا حاصل ہی کہاں
ہاں ترے اس بحرِ بے ساحل کا ساحل ہی کہاں

گو ہی تو خاکی مگر ہم دوشِ مہر و ماہ ہے
تیرے سینہ میں ودیعت اک دلِ آگاہ ہی

تو ہی سرتاپا قتیلِ آرزوے زندگی
تو ازل سے ہی شہیدِ جستجوئے زندگی

تیری ہر موجِ نفس رمز آشنائے زندگی
تیرا ہر تارِ نفس سازِ نوائے زندگی

تیرے دم سے ضو فشاں شمعِ تجلائے حیات
دہر میں تری بدولت دورِ صہبائے حیات

ہی تیرا ہی جرعہ کش رندِ خرابِ زندگی
ہی تجھی سے مرتعش تارِ ربابِ زندگی

تیرا ہر پیغام اک تعبیرِ خوابِ زندگی
تیرا ہر ہر حرف تفسیرِ کتابِ زندگی

آشکارا تجھ سے حسنِ بے حجابِ زندگی
ذرّہ ذرّہ میں ہی رخشاں آفتابِ زندگی

اے سراپا ملّتِ بیضا کو پیغامِ خودی
حاملِ گنجینۂ اسرار و الہامِ خودی

اے نقیبِ دورِ نوائے ساقیِ جامِ خودی
کیوں نہ ہوں تیرے دعاگو جرعہ آشامِ خودی

اے خرابِ ہوشمند اے بیخودِ جامِ خودی
تیری ہر موجِ نفس سرشارِ الہامِ خودی

اے سراپا دفترِ آیات و احکامِ خودی
تیرا ہر شورِ نوا دنیا کو پیغامِ خودی

اس طرح تونے سنوارا طرّۂ شامِ خودی
آج عالم ہی اسیرِ حلقۂ دامِ خودی

اس قدر تونے اچھالا دہر میں نامِ خودی
آج معراجِ نظر ہے جلوۂ بامِ خودی

تیری فطرت پر کیا فطرت نے اتمامِ خودی
تو ہی آغازِ خودی ہے تو ہی انجامِ خودی

ہر نوائے راز تیری کوثرِ کامِ خودی
ہر نگاہِ مست تیری بادۂ جامِ خودی

گو ترے زیرِ قدم ہی رفعتِ بامِ خودی
ہی سکوں ناآشنا پھر بھی ترا گامِ خودی

تونے کردی جلوہ آرا اس طرح شامِ خودی
بیخودوں کو آگئی پھر یادِ ایامِ خودی

اے ترا ہر حرفِ روشن درِ شہوارِ خودی
اے ترے دم کی بدولت گرم بازارِ خودی

سرخوشِ جامِ خودی، سرمستِ سرشارِ خودی
محرمِ رازِ خودی، مفتاحِ اسرارِ خودی

ہی ترے سینہ میں وہ برقِ شرربارِ خودی
بزمِ گیتی بن گئی ہی طورِ انوارِ خودی

اے سراپا معنیٔ الہام تیری شاعری
اے سراپا محشرِ پیغام تری شاعری

جادہ سرچشمہ عرفاں ہی تیری شاعری
بادہ خم خانۂ ایماں ہی تیری شاعری

تیرا ہر پیغام اے گرم نوائے شاعری
ماورائے شاعری ہی ماورائے شاعری

حد اعجاز سخن ہی یہ تیری افسونگری
حق ہی گر اس کو کہیں جز ولیت از پیغمبری

اے نوا پیرائے باغِ قدس تیری ہر نوا
کاروانِ زندگی کے واسطے بانگِ درا

تیرا ہر اک حرف نقشِ نامہ جاوید ہے
اک پیام نوبہار گلشنِ امید ہے

تو ہی گویا اہلِ مغرب کو یہ مشرق کا پیام
ہم بھی ہیں اب عرصہ ہستی میں مصروفِ خرام

مٹ چکا اب وہ خمار لذت شربتِ مدام
اب یہاں بھی ہو رہا ہی زندگی کا اہتمام

ایشیا اب پھر شرابِ شوق سی سرشار ہی
مشرق خوابیدہ اب پھر خواب سی بیدار ہی

اک حیاتِ نو ہی پیدا عالم اسلام میں
رونما ہی نہضتِ تازہ حجاز و شام میں

وقتِ ماتم اے کمند کاکلِ صیاد ہے
اب ترے فتراک سی مرغِ حرم آزاد ہی

آسماں کی سیر کرتی ہی تری فکرِ بلند
ہیں مہ و مہر و کواکب سب گرفتارِ کمند

پرفشاں ہر لحظہ تیری فکر گردوں تاز ہی
اللہ اللہ یہ تخیّل کی ترے پرواز ہے

ہاں وہاں روشن تری تخیّل کی قندیل ہی
پرفشانی سے جہاں قاصر پرِ جبریل ہی

خامۂ رنگیں ترا مصروفِ تعمیرِ حیات
نامۂ خونیں ترا منشورِ تدبیرِ حیات

مدعا تیرا ہی کیا؟ تعظیم و توقیرِ حیات
فلسفہ تیرا ہی کیا؟ توضیحِ و تفسیرِ حیات

داستانِ عہد ماضی ہو اگر زیب رقم
ہی ترا زورِ قلم معمارِ تقدیرِ امم

جس کی ہر اک سطر زیبا طرۂ تاجِ حیات
صفحۂ قرطاس جس کے دم سے معراجِ حیات

تیری اس فطرت بلندی سی کسے ہی اختلاف
تری اس رفعت پسندی سی کسے ہی اختلاف

ہاں مگر اے فیلسوف و شاعر جادو طراز
تیری خدمت میں مری اک عرض ہی باصد نیاز

یہ گہر ہائے درخشاں صرف تیرے قال ہیں
تیری فطرت کے رخ روشن کے خط و خال ہیں

دوسرا رخ ہی ابھی تک تشنۂ بحث و نظر
اک نظر اس پر بھی ہاں تیری اجازت ہو اگر

بارگاہِ علم میں گر ہو یہ گستاخی معاف
تیری دنیائے عمل کا بھی ذرا کر لوں طواف

دیکھتا کیا ہوں کہ ہی اک دشت ناپیدا کنار
جس میں کوسوں تک نہیں ملتا نشان سبزہ زار

کارواں کیا ، مل نہیں سکتا یہاں اک نقشِ پا
یہ زمیں ہی آج تک بیگانۂ بانگِ درا

راہرو کوئی یہاں محو سبک رانی نہیں
کوئی اعرابی یہاں وقفِ حدی خوانی نہیں

کچھ نظر آتے نہیں ہیں اس میں آثارِ حیات
کوئی ذرہ تک نہیں سرگرمِ پیکارِ حیات

رخ ادھر کرتا نہیں ابرِ گہربارِ حیات
نامیہ یاں ہو نہیں سکتا ہی معمارِ حیات

نام کو اس میں نہیں ہی اضطرابِ زندگی
حکمراں ہی اس کے ہر گوشہ پہ خوابِ زندگی

اس دیارِ خواب و خور میں زہر ہی جوشِ عمل
اس خراباتِ وفا میں ننگ ہی ہوشِ عمل

کیا اٹھے اس خاک دامن گیر سے پائے طلب
آ کے یاں کھویا گیا خود جادہ پیمائے طلب

جس کے نغمے تھے نصیبِ مقدمِ فصلِ بہار
آہ وہ مرغِ چمن اب ہی خزاں کا سوگوار

برق کو جس نے سکھائی شوخیِ طرزِ خرام
آہ وہ خود منزلِ ہستی میں ہی اب سست گام

رہبری کرتا تھا سوئے عرش جس کا نقشِ پا — آہ اب وہ جا رہا ہی جانب تحت الثریٰ

رُخ ہی نغموں کا فضائے عالم جاں کی طرف — پانوں اٹھتے ہیں حضیض بزم امکاں کی طرف

جو پڑھاتا تھا صداقت کا عدالت کا سبق — جو ہمیں دیتا تھا دنیا کی امامت کا سبق

مل رہا ہی اب اسی سی ضعفِ ہمت کا سبق — دے رہا ہی اب وہی فسخِ عزیمت کا سبق

جس کا ہر نغمہ تھا اسلامی اخوت کا پیام — ہر نوا تھی جس کی عالمگیر وحدت کا پیام

اب عمل سی دے رہا ہی وہ پیامِ انتشار — ملّتِ بیضا کے غم میں اب نہیں وہ دلفگار

اے بہارِ باغِ ملّت طوطی گلزار ہند — آفتاب اوجِ مشرق، یوسفِ بازار ہند

گوہرِ عمان فن، شمع شبستان کمال — شمسۂ ایوانِ فن، شیر نیستان کمال

اے حیات افروز ملت اے حدی خوانِ وطن — اے فروغ دیدۂ اسلام اے جانِ وطن

اس طرح نغموں سے تیرے بزمِ جاں معمور ہی — تیری الفت کے لئے ہر اہلِ دل مجبور ہی

آج تو کل ملّتِ اسلام کا محبوب ہے — بلکہ مشرق کی تمام اقوام کا محبوب ہی

آج مسجودِ نظر ہی تیرا ہر نقشِ قلم — کیوں نہ تڑپے دل اگر اٹھے غلط تیرا قدم

کاش ہو جاتا یہ تجھ پہ رازِ پنہاں آشکار — بے سبب ہرگز نہیں یہ نالۂ بے اختیار

اس فغانِ درد کی شاہد محبت ہی تیری — اس نوائے تلخ کا باعث عقیدت ہی تیری

یہ نہیں تعریض دل کے درد کا افسانہ ہے
ایک آہ مضطرب اک اشکِ بے تابانہ ہی

شاعرِ مشرق اور فلسفۂ حیاتِ ملّی

مدتوں سے سرد تھا خونِ حیات
مضمحل رخسارِ گلگونِ حیات

سست و افسردہ قوائے زندگی
مردہ روحِ ارتقائے زندگی

بجھ گئی تھی آتشِ سوزِ دروں
نام کو باقی نہ تھا ذوقِ جنوں

بے سرور و نور مینائے خودی
بے کلیم و طورِ سینائے خودی

پست و رسوا طبعِ عالی فطرتی
کارفرما ہر طرف دونِ ہمتی

بندگانِ حق طلب ناحق شناس
غیر محکم دین و ملت کی اساس

کارواں سرگشتہ منزل بے نشاں
مست و خوابیدہ امیرِ کارواں

راہ گم کردہ جہت ناآشنا
سعیِ مقصد تھی نہ جہدِ مدعا

ملتِ اسلام مفقود المقام
بے یقین و بے نظام و بے امام

کر چکے تھے جان و دل جس پہ فدا
لٹ چکی تھی وہ متاعِ بے بہا

وقفِ ماتم ہند میں اسلام تھا
شکوہ سنجِ گردشِ ایام تھا

اب کہاں وہ دل میں سوزِ آرزو
اب کہاں سرشاریِ لاتقنطوا

کیا نہیں یہ درد و ماتم کا مقام
ملتِ بیضا ہو غیروں کی غلام

کیا یہ آشوبِ قیامت سے ہے کم
محرمِ اغیار ہو پیرِ حرم

رہ گیا تھا بزم میں اب یادگار ۔۔۔ بادۂ دوشینہ کا کیف و خمار

منتظر تھے رند دورِ جام کے ۔۔۔ ساقیِ رنگیں کے فیضِ عام کے

تھی ضرورت قوم کو پیغام کی ۔۔۔ سوز و سازِ نغمۂ الہام کی

شاعرِ ہندوستاں پیدا ہوا ۔۔۔ بلبلِ مشرق نوا پیرا ہوا

ماحیِ قیدِ مقام و مرز بوم ۔۔۔ ہند سے اٹھا قتیلِ پیر روم

مست صہبائے خمستانِ حجاز ۔۔۔ ساقیِ یثرب کا رندِ پاکباز

آشنائے رمزِ دیں دانائے راز ۔۔۔ پرتوِ شمعِ یقین و قلبِ گداز

محرمِ سرِ ازل ہمرازِ قدس ۔۔۔ ہر زماں آمادۂ پروازِ قدس

عاقل و فرزانۂ سرشارِ دیں ۔۔۔ بیخود و دیوانہ ہشیارِ دیں

کاشفِ صد عقدہ اسرارِ دیں ۔۔۔ واقفِ صد نکتہ اخبارِ دیں

عاشق و مست و حکیم و فیلسوف ۔۔۔ صد نکات آموز اربابِ وقوف

بزمِ اسرار و معارف کا چراغ ۔۔۔ عارفِ روشن دل و روشن دماغ

محرمِ سرِ خودی و آگہی ۔۔۔ راز دانِ نکتۂ فقر و شہی

بحرِ ناپیدا کنارِ علمِ دیں ۔۔۔ ہند میں سرمایہ دارِ علمِ دیں

قلزمِ مواجِ اسرار و حکم ۔۔۔ قطرہ جس کے فیض سے عمان و یم

بادۂ تبریز کا ذوق آشنا ۔۔۔ حکمت و اسرار کا عقدہ کشا

ہم نوائے "شاعرِ المانوی" ۔۔۔ نغمہ سنجِ بوستانِ معنوی

سرورِ آقائے یثرب کا غلام
حکمت آموزانِ مغرب کا امام

میکشِ پیمانۂ سرِّ علوم
سرخوشِ خم خانۂ تبریز و روم

محفلِ ایماں کی شمعِ جلوہ ریز
ساغرِ دل کی شرابِ تند و تیز

سینہ جس کے نور سے روشن تمام
جلوہ افشاں ہند کے مینا و جام

محوِ حیرت عقلِ دانائے فرنگ
بے بصیرت چشمِ بینائے فرنگ

بے فروغ بادہ مینائے فرنگ
بے مذاق نشۂ صہبائے فرنگ

منزلِ عرفاں میں رومی کا رفیق
ساقیِ تبریز کا مستِ رحیق

فرش پر محوِ خیالِ عرش رس
عرش پر قدسیوں کا ہم نفس

فرش پر سینا و رازی کا مثیل
عرش پر قدسی و رومی کا قتیل

صاحبِ جاوید و بالِ جبرئیل
بہرِ سیرِ لامکاں بانگِ رحیل

بے خبر، مستِ نظر، گرمِ سفر
ہم عنانِ ماہ و خور افلاک پر

رہ نوردِ آسمانِ بیکراں
رونقِ بزمِ جہانِ دیگراں

اے فلک پر جلوہ آرائے شہود
آب و رنگِ محفلِ ذکر و سجود

بزمِ جاں میں کاشفِ سرِّ وجود
ترجمانِ کائناتِ ہست و بود

فاش تجھ سے سینۂ آدم کا راز
فطرتِ بے تاب کا سوز و گداز

تیرے دم سے خاکیانِ مستمند
ارجمند و بہرہ مند و سربلند

اللہ اللہ یہ کمالِ آب و گل
اللہ اللہ یہ عروجِ خاکِ دل

خاک کا ہر ذرہ رشکِ مہر و ماہ — انجم و افلاک کی جانِ نگاہ
آشنائے فطرتِ شمس و قمر — روشن تابندہ و پائندہ تر
اے نوا پیرائے گلزارِ انا — اے سراپا سازِ بیدارِ انا
تیرا ہر تارِ نفس تارِ انا — ہر نگاہِ مست سرشارِ انا
اے سراپا آرزومندِ حیات — سرخیٔ خوں سے حنا بندِ حیات
زندگی تیری کمالِ زندگی — آئینہ دارِ جمالِ زندگی
تو نے چھیڑا اس طرح تارِ رباب — لوٹ آیا عہدِ رفتہ کا شباب
ہو گیا ہی حسنِ ہستی بے حجاب — ضو فگن ذروں میں ہی پھر آفتاب
تو نے سکھلا دی ہی وہ خوئے حیات — موجزن رگ رگ میں ہی جوئے حیات
ہی تلاطم خیز خونِ زندگی — شور افزا ہی جنونِ زندگی
آتشِ سیّال ہے خونِ جگر — ہر لہو کی بوند ہے برق و شرر
زندگی ہی آشنائے بال و پر — ہو گئی ہی نبضِ ہستی تیز تر
دوڑتی ہی بن کے برقِ اضطراب — ذرہ ذرہ میں شعاعِ آفتاب
تیری فطرت ہی طپش آموزِ برق — اے ز سر تا پا حیات افروزِ شرق
صبحِ روشن کی طرح بیدار ہے — تجھ سے مشرق عالمِ انوار ہے
تیری ہستی ایشیا کی آبرو — ملتِ مشرق کی جانِ آرزو
تو ہی مشرق کا وہ روشن آفتاب — جس کی کرنوں سے ہی مغرب فیض یاب

ملت اسلام کا روشن داغ — عالمِ توحید کا چشم و چراغ

آج تک تازہ ہی تجھ سے ای حکیم — ہند میں افسانۂ طور و کلیم

گرچہ خود پیغمبر خاور ہے تو — والہ و شیدائے پیغمبر ہے تو

ہی تلاش کوچہ دلبر تجھے — خاک یثرب خلد سے خوشتر تجھے

اے ازل سے دردمندِ زندگی — خونِ دل سے نقش بندِ زندگی

ہر نوا تیری نوائے سرمدی — ہر نفس سرشارِ اعجازِ خودی

قالبِ بے روح میں جاں آفریں — جانِ بے ارماں میں ارماں آفریں

کافرِ ہندی میں ایماں آفریں — اے دلِ مومن میں عرفاں آفریں

دیدۂ مسلم میں طوفاں آفریں — آفریں مردِ مسلماں! آفریں

رمزِ قرآں فلسفہ دانی تری — نغمۂ عرفاں حدی خوانی تری

شاعری تیری نہیں الہام ہی — خاکیوں کو عرش کا پیغام ہی

حاملِ قرآں تری تعلیم ہے — رازدانِ "احسنِ تقویم" ہے

ملت یک جسم و جاں صد نیم ہی — تو سراپا دعوتِ تنظیم ہے

کیا پریشانی سے ملت کو گزند — ہر ترا تارِ نوا شیرازہ بند

گاہ مستِ نغمۂ رنگیں ہے تو — گاہ وقفِ نالۂ خونیں ہے تو

گاہ ہی تو قاصدِ فصلِ بہار — گاہ ہی دورِ خزاں کا سوگوار

گاہ محوِ نوحۂ درد آفریں — گاہ سرگرمِ نوائے آتشیں

گاہ ٹپکاتی ہے تیری چشمِ تر صفحۂ قرطاس پر لعل و گہر
گاہ تیرا معرکہ آرا قلم نوحہ خوان عظمتِ خیرالامم
گاہ تیرا خامہ معجز نگار برق فطرت مثل تیغِ آبدار
گاہ تیرے دیدۂ ہائے خونچکاں وقفِ تعمیر حیات جاوداں
گاہ تیری آہِ سوزاں کے شرار زندگی کے قصر کے نقش و نگار
گاہ پہنچا تا سرِ عرشِ بریں تیرا شور لا احب الآفلین
آہ پھر بھی اُمّت خیر البشر ہی مئے غفلت سی مست و بیخبر
ہی وہی شغلِ مے و مینا و جام منتشر شیرازۂ ملّت تمام
ہی نظامِ دیں سے سرتابی وہی اب بھی طاری ہی گراں خوابی وہی
لذّتِ آہ سحر گاہی نہیں حق شناسی و خود آگاہی نہیں
جذبہ و احساسِ خودداری نہیں اضطرابِ ذوقِ بیداری نہیں
آہ کیا اس ملتِ خوابیدہ کو آہ کیا اب مسلم شوریدہ کو

حاجتِ پیغمبر و جبریل ہے
انتظارِ صورِ اسرافیل ہے

علمائے اُمّت

علمائے ہند سے خطاب

نمونے آپ ہیں اس دور میں اسلافِ امت کے
خزینے آپ کے سینے ہیں سّرِ علم و حکمت کے

نگہباں آپ ہیں دنیا میں آدابِ شریعت کے
محافظ ہیں جہاں میں ملتِ بیضا کی عظمت کے

لقب ہے آپ کا مسند نشینِ سرورِ عالم
جہاں میں آپ ہی ہیں وارثِ پیغمبرِ خاتم

وراثت میں ملی ہے آپ کو قرآن کی دولت
ودیعت آپ کے سینوں میں ہے ایمان کی دولت

ملی ہے سنتِ پیغمبرِ ذی شان کی دولت
حیاتِ طیبہ کے سرمدی فیضان کی دولت

دلوں میں عاکفانِ صفہ کا ذوقِ عبادت ہے
رگوں میں کشتگانِ بدر کا خونِ شہادت ہے

جو اس کا پاس ہو تو کیجئے اب احترام اپنا
خدا کے واسطے پہچانئے اوجِ مقام اپنا

جہاں میں کیجئے محسوس پھر فرضِ مدام اپنا
ہر اک گوشہ میں جاری کیجئے پھر فیضِ عام اپنا

کہ بزمِ دہر میں دینِ ہدیٰ کے آپ وارث ہیں
فروغِ پرتوِ شمعِ حرا کے آپ وارث ہیں

ضرورت ہے کہ کہیئے خیر باد اب خانقاہوں کو
مصافِ زندگی سے آشنا کیجئے نگاہوں کو

وطن میں دیکھئے سعی و عمل کی شاہراہوں کو
جہادِ زیست کی ہنگامہ آرا رزم گاہوں کو

سبق لیجئے حیاتِ پاک سرکارِ دو عالم سے
الٹ دیجئے مرقعِ دہر کا ایمانِ محکم سے

مسلماں کے لیے ہے ننگ یہ خوئے غلامانہ
جہادِ حق کی جانب آپ بڑھیے سرفروشانہ

فدا کر دیجئے ملت پہ جانیں مثلِ پروانہ
کہ تازہ دورِ حاضر میں ہو پھر ماضی کا افسانہ

نہیں ہے آج حاجت رسم و راہِ خانقاہی کی
ضرورت آج ہے جوشِ عمل کی بے پناہی کی

علمائے سلف اور علمائے دورِ حاضر

اور

ہنگامہ تکفیر

ہلا دیتا تھا اک عالم کو شورِ "لاتخف" ان کا
قیامت تھا جہادِ حق میں رہنا سربکف ان کا

انھیں شایانِ شاں تھا وارثِ علمِ نبی کہنا
کہ تھا خلقِ حسن سرمایہ مجد و شرف ان کا

سبق دیتے تھے صلح و خیر کا افرادِ امت کو
ضیا افگن تھا فیضِ علم و عرفاں ہر طرف ان کا

نوائے دعوتِ حق لے کے وہ جس دم نکلتے تھے
تو خود کرتا تھا باطل خیر مقدم صف بہ صف ان کا

قیامت ہے اگر اس دور میں اخلاف کے ہاتھوں
وہ نقدِ سیزدہ صد سالہ ہو جائے تلف ان کا

اب ان کے مسندِ ارشاد پر وہ لوگ بیٹھے ہیں
کہ ہر طرزِ عمل ہے باعثِ ننگِ سلف ان کا

بزرگوں سے ملی تھی جو متاعِ بے بہا کھودی
کہاں اب آہ وہ سرمایۂ عز و شرف ان کا

وہی ہے ابرِ نیساں اب بھی مصروفِ گہر باری
مگر اب لولوئے لالا سے خالی ہے صدف ان کا

فقط لے دے کے ہے اک مشغلہ تکفیر کا جاری
مسلمانوں کی جان دین و ایماں ہے ہدف ان کا

دُعا

تجھے تیری قسم یارب فغانِ بے نوا سُن لے
خداوندا شکستِ شیشۂ دل کی صدا سُن لے

دعاہائے سحرگاہی کو اذنِ باریابی دے
زبانِ چاک دل سے نالۂ دردآشنا سُن لے

مرے شب ہائے غم کی خلوتیں معمور ہیں جس سے
وہ فریادِ حزیں سُن لے وہ آہ نارسا سُن لے

یہی چند اشکِ رنگیں ترجمانِ قصۂ غم ہیں
بہت ہی مختصر ہی داستانِ ابتلا سُن لے

ستم ہائے عدو کی میں کہاں فریاد کرتا ہوں
میں کب کہتا ہوں مجھ سی جورِ گردوں کا گلا سُن لے

مجھے فریاد کرنی ہی خود اپنے دیدہ و دل کی
قیامت ڈھا رہی ہیں خود جو اپنے دست و پا سُن لے

تو خود دانا و بینا ہی مگر میری زباں سے بھی
دلِ مظلوم پر جو کچھ گذرتی ہی ذرا سُن لے

دعا اک ربطِ روحانی ہی آقا اور بندے میں
زباں سے میری یارب میرا حرفِ مدعا سُن لے

پریشاں ہو رہا ہی ہند میں شیرازہ ملت
پراگندہ ہی حالِ امتِ خیرالوریٰ سُن لے

کہاں وہ شیوہ صدق و صفا اب تیری بندوں میں
مسلمانوں کے باہم شکوہ جور و جفا سُن لے

ادا ہوتا تھا کل تک کلمۂ حق جن زبانوں سے
نکلتا ہی انھیں سے آج حرفِ ناسزا سُن لے

قیامت ہی یہ رسوائی علی الاعلان ہوتی ہی
لبِ مسلم سے خود مسلم کو کافر ماجرا سُن لے

رہی گی آہِ مظلومانِ ملت بے اثر کب تک
کبھی تو دردمندوں کے دلوں کی اے خدا سُن لے

مسلمانوں کو مست بادۂ صدق و صفا کر دے
شراب کہنہ یثرب کا پھر ذوق آشنا کر دے

عصرِ حاضر

اور

فرزندانِ توحید

بزرگانِ ملّت سے خطاب

کہاں ہیں اٹھیں دردمندانِ ملّت
ہی وقتِ عمل اے بزرگانِ ملّت

خبر ہی کہ خطرہ میں اب علمِ دیں ہے
زمانہ سے مٹنے کو صدق ویقیں ہی

دلوں پر ہے سکہ رواں معصیت کا
زمانہ ہے لادینی و دہریت کا

ہراک سمت ہی کفر والحاد جاری
جوانان ملت پہ غفلت ہی طاری

ذرا بھی انھیں پاسِ مذہب نہیں ہے
نمازوں سے روزوں سی مطلب نہیں ہے

یہ آئینِ مذہب کے قائل نہیں ہیں
یہ حکمِ شریعت پہ مائل نہیں ہیں

ہی شیوہ فقط ان کا مغرب پرستی
یہی آج ہی ان کا مقصودِ ہستی

جو دیکھو تو اس فن کے مشّاق ہیں یہ
کہ تہذیبِ حاضر کے عشاق ہیں یہ

فقط یہ اسی کام کے رہ گئے ہیں
مسلمان یہ نام کے رہ گئے ہیں

کوئی بھی نہیں ان میں دیوانۂ دیں
دماغ و دل ان کے ہیں بیگانۂ دیں

یہ مذہب کی ہر بات سے بیخبر ہیں
سلف کی روایات سے بے خبر ہیں

ہیں نے دیکھے یہ صرف مغرب سے واقف
نہیں ہیں یہ بطحا و یثرب سے واقف

ہیں باطل پہ مبنی خیالات ان کے
ہیں الحاد پرور خرافات ان کے

یہاں ہیچ ہیں علمِ دین کے سفینے
ہیں محرومِ نورِ یقیں ان کے سینے

ہی بس علمِ مغرب پہ ایمان ان کا
یہی ہی حدیث اور قرآن ان کا

انھیں کیا خبر ہیں وہ کس کے خزانے — ہیں پُر جن سے حکمت کے سب کارخانے

انھیں کیا خبر کس سے نسبت ہے ان کو — انھیں کیا خبر کیا ودیعت ہے ان کو

انھیں کیا خبر کس کی اولاد ہیں یہ — کہ ننگِ آبا و اجداد ہیں یہ

وہ تھے کون جو دینِ حق پر فدا تھے — خلف جن کے یہ ہیں سلف انکے کیا تھے

مسلط جو ہم پر یہ سب لعنتیں ہیں — یہ تعلیم مغرب کی سب برکتیں ہیں

نظر آرہا ہے جو ہم کو یہ نقشہ — ہماری ہی غفلت کا ہے یہ نتیجہ

ہم اس طرح پامالِ باطل نہ ہوتے — جو تعلیم قرآں سے غافل نہ ہوتے

سکھاتے جو بچوں کو تعلیم دینی — نہ آتی کبھی ان میں یہ بے یقینی

جو یہ اپنے مذہب سے آگاہ ہوتے — تو کیوں اس طرح آج گمراہ ہوتے

رہیں گے یونہی تا کجا نوحہ گر ہم — غنیمت ہے اب کریں کچھ اگر ہم

ہو بیدار اے قوم کے نونہالو! — اٹھو اب سلف کے دلوں کی دعا لو

اٹھو دینِ حق کے محافظ بنو تم — کتاب اور سنت کے حافظ بنو تم

نگہبان بنو تم متاعِ ہنر کے — ہوں سینے تمہارے خزینے خبر کے

نکات و معارف کے ذوق آشنا ہو — علومِ شریعت کے نکتہ سرا ہو

ہے اس کے سوا ہیچ سب نکتہ دانی — بنا لو اسے مقصدِ زندگانی

مسلماں نہ ہو صرف اب نام کے تم
نمونے ہو اخلاق اسلام کے تم

عہدِ حاضر کا مسلمان

اس عہد میں پوچھو نہ مسلماں کے قرینے
بے نور جبینیں ہیں تو تاریک ہیں سینے

جن سے تھی کبھی خاتمِ ہستی نظر افروز
اب داغ ہیں یکسر وہی شفاف نگینے

سینوں میں کہاں آج سفینوں میں ہیں مدفون
وہ علم و معارف کہ ہیں ایماں کے خزینے

بے فائدہ ان کے لئے اسرار کے دفتر
بیکار ہیں سب حکمت و عرفاں کے سفینے

محروم کیا ذوقِ حیاتِ ابدی سے
مسلم کو فقط جذبۂ ایماں کی کمی نے

اس دور میں صد حیف اسے وہ بھی نہیں یاد
پیغام دیا تھا جو رسولِ عربی نے

عرصے سے ہے آتش کدۂ شوق فسردہ
پہلو میں یہاں برف ہیں دل سرد ہیں سینے

وہ آہِ شبی ہے نہ دعائے سحری ہے
غفلت میں گزرتے ہیں یونہی بارہ مہینے

جینا وہ اگر چاہیں یونہی بزمِ جہاں میں
کب دیں گے زمانہ کے حوادث انھیں جینے

عہدِ حاضر کے نوجوانانِ اسلام

یہ مانا اے عزیزو حکمت آموزِ جہاں تم ہو
علومِ عصر کے آئیں شناس و نکتہ داں تم ہو

نگاہوں میں ہے مستی نشہ صہبائے دانش کی
خمارِ بادۂ علم و ہنر سے سرگراں تم ہو

رگوں میں ہے تمہاری جوئے خونِ زندگی جاری
خدا کا شکر ہے سر تا قدم اربابِ جاں تم ہو

حیاتِ تازہ طوفاں خیز ہے ہر قطرۂ خوں میں — خدا رکھے ادائیں کہہ رہی ہیں نوجواں تم ہو
یہ مانا سرورِ رعنا ہو شکوہ و سربلندی کے — یہ مانا آئینہ دارِ وقار و عزّ و شاں تم ہو
یہ سب کچھ ہی بجا لیکن خدارا یہ تو فرماؤ — کہ بزمِ دہر میں کس کے چراغِ دودماں تم ہو
بتا دو یہ کہ کس کے نونہالانِ چمن تم ہو — یہ فرما دو کہ کس گل زار کے سروِ رواں تم ہو
کہاں تم جادہ پیما ہو کہاں منزل تمہاری ہے — تمہیں کچھ ہوش بھی ہے کس کی گردِ کارواں تم ہو
اگر پاسِ شرف ہے کچھ تو پہچانو مقام اپنا — تمہیں احساس ہے اس بزمِ ہستی میں کہاں تم ہو
وراثت تم نے پائی ہے سلف کے نامِ نامی کی — خبر بھی ہے جہاں میں یادگارِ باستاں تم ہو
رگ و پے میں تمہاری اب بھی جنکا خون جاری ہے — انھیں اسلاف کے سرمایہ دارِ عزّ و شاں تم ہو
مگر اے دوستو! اک بات تم سے پوچھتا ہوں میں — بزرگانِ سلف کے آج کیا شایانِ شاں تم ہو
یقیں یہ ہے اگر اس دور میں اسلاف جی اٹھیں — نہ مانیں یہ کہ ان کے ہی چراغِ دودماں تم ہو
خردمندو! کبھی کچھ غور بھی اس پر کیا تم نے — کہ کیوں یوں پائمالِ انقلابِ آسماں تم ہو
سبب کیا ہے تمہیں اب دہر میں جینا نہیں آتا — مگر ناواقفِ رازِ حیاتِ جاوداں تم ہو

جو مسلم ہو تو مسلم کا طریقِ زندگی سیکھو
وہی رخشندگی سیکھو وہی تابندگی سیکھو

بس اتنا ربط ہے اب ملتِ اسلام تم کو — کہ تھوڑا سا تعلق رہ گیا ہے نام سے تم کو
تمہاری زندگی میں ولولے اس کے نہیں باقی — ہے بیزاری خدا کے آخری پیغام سے تم کو
کہاں اب وہ سرور و انبساط و کیفِ روحانی — خدا کے نام سے تم کو نبی کے نام سے تم کو

زبانوں پر ہے کلمہ حکمت آموزانِ مغرب کا
عقیدت اب کہاں پیغمبرِ اسلام سے تم کو

تمہیں ہو ذوق کیونکر شرعی علم و معارف سے
شغف سا ہو رہا ہی مغربی اوہام سے تم کو

تمہارے واسطے تہذیبِ حاضر مایۂ نازش
اگر ہی عار تو بس سنتِ اسلام سے تم کو

تعلق جس قدر ہی تم کو تفریحی مشاغل سے
نہیں اتنی بھی نسبت دین کے احکام سے تم کو

خدا کا حکم مانو دین کی خدمت بجا لاؤ
بھلا فرصت کہاں اتنی دلِ خودکام سے تم کو

تمہیں کیا دینِ حق گر صفحۂ ہستی سے مٹ جائے
تن آسانی سے مطلب واسطہ آرام سے تم کو

کبھی جوشِ عمل کا ولولہ پیدا نہیں ہوتا
گلہ گردوں سے شکوہ گردشِ ایام سے تم کو

رہو گے یونہی محوِ خوابِ غفلت تابکے آخر
سبق ملتا ہی کچھ بیداریٔ اقوام سے تم کو

زمانہ کے حوادث تم کو کچھ پیغام دیتے ہیں
نیا درسِ عمل لینا ہی صبح و شام سے تم کو

خبر بھی ہی کہ ہی مدت سے دنیائے عمل سونی
اٹھانا ہی نیا اک حشر ہر اک گام سے تم کو

اٹھو پھر از سرِ نو دہر میں ہنگامہ آرا ہو
نئے جوشِ عمل سے نوجوانو جادہ پیما ہو

عصرِ حاضر کے اوہامِ باطلہ

اک باخبر بزرگ سے پوچھا جو میں نے کل
دنیا میں کیوں ہیں آج رذائل نئے نئے

چھایا ہی کیوں دماغوں پہ یورپ کا فلسفہ
مغرب کی حکمتوں کے ہیں قائل نئے نئے

وردِ زباں نظامِ معیشت ہیں نو بہ نو
بحثیں نئی نئی ہیں مسائل نئے نئے

سرمایہ کا کہیں کہیں محنت کا ہے سوال — ہیں خدمتِ شکم کے وسائل نئے نئے
الحاد کا شکار ہیں ملت کے نوجواں — ہیں تیغ کارل مارکس کے گھائل نئے نئے
پھیلا ہوا فریبِ مساوات کا ہے دام — کچھ ہو چکے اسیرِ رسائل نئے نئے
اوہامِ باطلہ ہوں کہ افکارِ فاسدہ — مذہب کے راستہ میں ہیں حائل نئے نئے
شرع و نظامِ ملتِ اسلام کے خلاف — صف بستہ ہیں وطن میں قبائل نئے نئے
اخلاق ہیں وہ اب نہ وہ اوصافِ زندگی — دورِ جدید کے ہیں فضائل نئے نئے
صورت بدل گئی ہے تو سیرت بدل گئی — ہیں آج نوجواں کے خصائل نئے نئے
گر ان سے پوچھئے سبب اس انقلاب کا — بُرہاں نئے نئے ہیں دلائل نئے نئے
سُن کر زبانِ پاک سے ارشاد یہ ہوا — کچھ بے سبب نہیں یہ رذائل نئے نئے
دراصل ہے یہ حکمتِ دیں سے کم آگہی — پیدا کئے ہیں جس نے مسائل نئے نئے

دولت جو اپنے گھر میں ہے اس کی نہیں خبر
دریوزہ گر ہیں غیر کی چوکھٹ پہ دربدر

دورِ جدید کے

مواعظ تجدید

عجیب فتنہ ہے یارب جہاں میں دورِ جدید — نہ فکرِ روزِ قیامت نہ خوفِ یومِ وعید
ہے اس کی عقل تجدد نواز کا فتویٰ — جہانِ کہنہ کی ہر شے ہے لائقِ تجدید

اسے پسند نہیں اب یہ بزمِ فرسودہ
زباں پہ اس کی ہی اک تازہ انجمن کی نوید

نئی اساس پہ دنیائے نو کرو تعمیر
بنائے کہنہ کے ڈھانے کی ہی ہمیں تاکید

کسی طرح سے یہ بزمِ جہاں بدل جائے
وہ کر رہا ہی ہر اک انقلاب کی تائید

جدید طرز پہ ہو اجتہادِ فکر و نظر
کہ عہدِ نو میں خطا ہی قدیم کی تقلید

عبث ہیں آج روایاتِ سیزدہ صد سال
ہی اب یہ دفترِ پارینہ لایقِ تردید

سنن صحاح و مسانید کا دفترِ پارین
نئے سرے سی ہی محتاج خامۂ تنقید

قدیم عہد کے سرمایہ ہائے منقولات
جدید دور کے عقل و قیاس سی ہیں بعید

اصولِ شرع میں بھی ناگزیر ہے ترمیم
کہ انقلابِ زمانہ کا اقتضا ہی شدید

اسے بھی ڈھال دو اب عہدِ نو کے سانچے میں
تمہارے پاس ہی موجود جو کتابِ مجید

جہانِ نو میں نہیں اعتبار کے قابل
یہ فلسفہ یہ شریعت یہ فقہ بے تجدید

ضرورت اب ہی کہ ان کو جہاں میں پیش کرو
بہ ذوقِ دانشِ حاضر بہ آب و رنگِ جدید

زبانِ پاک پہ دانشورانِ حاضر کے
بڑی ہی شان سی ہیں یہ مواعظِ تجدید

ہزار حیف یہ نکتہ ہی ان سے پوشیدہ
بَری ہی نسخ و تغیّر سے مذہبِ توحید

غلغلۂ اسلام

اور

موجودہ مسلمان

تابشِ بزمِ جہاں نازشِ دوراں تم ہو — غلغلہ ہی شرفِ عالمِ امکاں تم ہو

جس کا سر تاجِ خلافت کا سزاوار ہوا — محفلِ دہر میں وہ صاحبِ عرفاں تم ہو

مطلعِ نور ہوئی جس سے شبِ تارِ حیات — وہ مبارک سحر و صبحِ درخشاں تم ہو

ہی بجا یہ بھی کہ ظلمت کدۂ عالم میں — شمعِ تابندہ و قندیلِ فروزاں تم ہو

جگمگانے لگا جس سی یہ شبستانِ وجود — وہ دلِ افروز تجلّی وہ چراغاں تم ہو

اس کشاکش گہِ ہستی میں حقیقت یہ ہی — راحت و عافیت و امن کا ساماں تم ہو

چمنستانِ خزاں دیدۂ گیتی کے لئے — مژدۂ نشاۃ و پیغامِ بہاراں تم ہو

اپنی ہستی کی حقیقت کو اگر پہچانو — آج دنیا کے ہر اک درد کا درماں تم ہو

شور ہی آج بھی عالم کے صنم خانوں میں — سرفرازِ شرفِ دولتِ ایماں تم ہو

گوشہ گوشہ سی جہاں کے یہ صدا آتی ہی — دہر میں ملتِ بیضا کے نگہباں تم ہو

بزمِ امکاں کا ہر اک گوشہ ہی شاید اس کا — آج بھی وارثِ پیغمبرِ ذی شان تم ہو

دہر ہی اس خبرِ حق سی پر آوازہ ہنوز — حامیِ دینِ متیں حاملِ قرآں تم ہو

تیرہ سو سال سے جن سے ہیں سفینے معمور ان روایات پہ ہاں آج بھی نازاں تم ہو

مگر انصاف سے یہ بھی تو ذرا فرما دو آج کیا نسبتِ اسلام کے شایاں تم ہو

تم کبھی کیا تھے زمانہ میں مگر اب کیا ہو اپنے اعمال پہ کچھ آج پشیماں تم ہو

یوں تو کہنے کو مسلماں تمہیں سب کہتے ہیں

تمہیں انصاف سے کہدو کہ مسلماں تم ہو

مسلمانانِ ہند سے خطاب

مسلمانو! کبھی ہنگامہ آرائے جہاں تم تھے فروغِ بزمِ ہستی رونقِ کون و مکاں تم تھے

جنھیں تھمنا نہ آتا تھا جہادِ زندگانی میں وہ سرگرمِ سفر وہ جادہ پیما کارواں تم تھے

پہاڑوں کی بنائیں جنکی ٹکر سے لرزتی تھیں وہ طوفانِ تلاطم خیز وہ سیلِ رواں تم تھے

جنھیں بزمِ طرب بھی رزم گہ تم وہ مجاہد تھے جنھیں موت ایک بازیچہ تھی وہ اربابِ جاں تم تھے

تمہیں سے دہر میں تھی ہر طرف ہنگامہ آرائی کہ بزمِ فطرتِ بیتاب کی روحِ رواں تم تھے

تمہاری ہر نظر رمز آشنائے جہد پیہم تھی کہ دنیا میں حیاتِ سرمدی کے رازداں تم تھے

تمہاری زندگی آئینہ دارِ دینِ بیضا تھی محافظ ملک و ملت کے وطن کے پاسباں تم تھے

تمہارا پرچمِ اقبال لہراتا تھا دنیا میں جہادِ زندگی میں کامگار و کامراں تم تھے

شہنشاہوں کی جانب بھی نگاہیں تک نہ اٹھتی تھیں خمارِ بادۂ وحدت سے ایسے سرگراں تم تھے

تمہارے دم سے تھا اسلاف کا مجد و شرف باقی — ابھی کل تک وطن میں یادگارِ پاستاں تم تھے

تمہارا ہی تمدن شرق سے تا غرب پھیلا تھا — دماغ و دل کی دنیا پر ابھی کل حکمراں تم تھے

جہاں کو جگمگاتی تھیں تمہارے فیض کی کرنیں — فروغِ بزمِ مشرق تابشِ ہندوستاں تم تھے

مگر اب آہ ہو محرومِ ذوقِ زندگی ایسے — یقیں آتا نہیں پہلے کبھی اربابِ جاں تم تھے

تمہیں نے اپنی حالت آپ بدلی ورنہ بتلاؤ — کبھی یوں پائمالِ انقلابِ آسماں تم تھے

میں کچھ کہتا نہیں اب خود تمہیں انصاف سے کہہ دو
کبھی پہلے بھی ایسے سرخوشِ خوابِ گراں تم تھے

مردانِ خدا کی تلاش

دے مجھ کو کسی مسلمِ خالص کا پتہ بھی — یا رب ہیں جہاں میں علما بھی حکما بھی

سونے نہیں اب بھی ہیں یہاں منبر و محراب — گلبانگِ مناجات بھی ہے شورِ دعا بھی

ہے نغمۂ توحید بھی مسلم کی زباں پر — تسبیح بھی ہے زمزمۂ حمد و ثنا بھی

اللہ کا گھر اب بھی نمازوں سے ہے معمور — پرشور اذانوں سے ہے عالم کی فضا بھی

ہے مسند ارشاد بھی تذکیر سے آباد — اصحابِ مواعظ بھی ہیں اربابِ ہدیٰ بھی

دستارِ فضیلت بھی سروں پر ہے مزین — سرتا بہ قدم زہد و تقدس کی قبا بھی

دیکھو جسے ہے دلقِ مرقع میں بھی ملبوس — اوڑھے ہوئے ہے فقر کی پارینہ ردا بھی

ہیں مدرسے میں حکمت و دانش کے بھی جلوے
پھیلی ہوئی ہے علم و معارف کی ضیا بھی

مکتب میں اداداں تفقہ بھی ہیں موجود
قرآن و احادیث کے ہیں نکتہ سرا بھی

ارباب معارف کا بھی کچھ قحط نہیں ہے
اسرار و غوامض کے ہیں یاں عقدہ کشا بھی

جاری ہیں شریعت کے بھی احکام و اوامر
ہر سو ہے بچھی مسند افتا و قضا بھی

ملت کی مجالس بھی اسی طرح ہیں سرگرم
اخبار پیمبر بھی ہیں اذکار خدا بھی

ہے محفل عرفاں بھی بپا خانقہوں میں
آراستہ ہے دائرہ صدق و صفا بھی

ہر گوشۂ خلوت کدۂ زاہد مرتاض
گویا کہ ہے وہ جلوہ گہ شمعِ حرا بھی

کیا کیا نہیں اس عہد میں موجود ہے لیکن
مطلوب ہے اب دین کو کچھ اس کے سوا بھی

ہنگامے یہ سب کچھ ہیں مگر یہ تو بتاؤ
ہیں آج کہیں دہر میں مردانِ خدا بھی

مذہبِ حق سے بیگانگی

حیف یہ دور ہے محروم رسول عربی
زندہ سینہ میں ہے اس کے شرر بولہبی

جس کی گرمی تھی حیاتِ دلِ مومن کا فروغ
ہم میں باقی نہیں وہ ولولۂ حق طلبی

نہ وہ خمخانۂ یثرب کا ہے فیضانِ نشاط
نہ وہ رندان مے آشام کی ہے تشنہ لبی

ملتِ حق سے یہ بیگانگی اللہ اللہ
جیسے اس دور کو مطلوب نہیں دین نبی

دہر میں آج ہے صد حیف مسلماں کا شعار
کام جوئی و تن آسانی و راحت طلبی

مایۂ عز و شرف نسبت اسلام نہیں
لائقِ فخر و مباہات ہے عالی نسبی

دل افسردہ ہے بیگانہ سوزِ غم عشق
نالہ ہائے سحری ہیں نہ دعا ہائے شبی

امت خیر البشر اور یہ احوالِ زبوں
نظر آتی ہے زمانہ میں یہ کیا بوالعجبی

کیا ترے شرعِ گرامی کی ہے تعلیم یہی
ایکہ قربانِ تو صد مرتبہ امی و ابی

ہم اور اپنے کو کہیں پیرو پیغمبر حق
اس سے بڑھ کر نہیں دنیا میں کوئی بے ادبی

تجلّیات

عبادت کے لوازم و آثار

یہی ہیں شمعِ عبادت کے لازمی انوار
کہ آئینہ کی طرح تزکیہ ہو باطن کا

ہو محو معصیتِ روز و شب کا داغ کہن
ازالہ یعنی ہو باطن کے دردِ مزمن کا

کدورتوں سے یہ آئینہ صاف ہو جائے
محبتوں کا خزینہ ہو قلب مومن کا

حیات خوبیِ اخلاق سے سنور جائے
مرقع آپ ہوں سر تا قدم محاسن کا

ہو خلق مورد الطاف نطقِ شیریں سے
نہ ہو نشانہ کوئی ناوکِ مطاعن کا

ہر اک عمل میں ہو "احساں" کی جلوہ فرمائی
کہ ہے بلند جہاں میں مقام محسن کا

قبول انھیں کو خدا کے یہاں بھی حاصل ہے
ہے نیک خلقِ خدا سے معاملہ جن کا

شراب ذکر سے یہ کیف اگر نہ ہو طاری
ہنوز شیشۂ دل تزکیہ سے ہے عاری

قیامِ لیل و رکوع و سجود ہیں بسود
خزینہ صدق و صفا کا اگر نہیں سینہ

جلا فروغِ ہدایت سے پا نہیں سکتا
اگر ہے زنگ سے تاریک دل کا آئینہ

رہے گا مشقِ ریاضت سے بھی یونہی بے نور
وہ سینہ ، جس میں نہیں معرفت کا گنجینہ

زباں کے ذکر و تلاوت سے فائدہ ناداں
بھرا ہو دل میں جو بغض و عداوت و کینہ

نہیں ہے نفس کی اصلاح اس قدر آساں
بڑے ریاض سے مٹتی ہے خوئے دیرینہ

قبولیت کی ہی معراج تزکیہ دل کا
یہ بام قدس کا گویا ہی اوّلیں زینہ
غرض ہی سب کی رضائے خدا و صدق و صفا
شبینہ ذکر و عبادت ہوں یا ہوں روزینہ
ظہور اگر نہ ہو عابد سے ان محاسن کا
جلا کا ہی ابھی محتاج شیشہ باطن کا

شہدائے ملّت

زندہ جاوید ہیں ملّت کے شہیدانِ کرام
نوجوانو تمہیں معلوم بھی ہی ان کا مقام
یہ وہ مرحوم ہیں جن کے لئے خود رحمتِ حق
لیکے آتی ہی حیاتِ ابدی کا پیغام
ان کے لاشوں پہ فرشتوں کی صفیں ہوتی ہیں
لیکے اترتی ہیں خوشنودیٔ حق کا انعام
پاک و معصوم زبانیں ہوئیں مصروف دعا
اس عقیدت سے ملائک ہوئے سرگرم قیام
یہ وہ اربابِ بقا ہیں کہ لہو سے اپنے
کھینچے صفحہ ایام پہ ہیں نقشِ دوام
سرخرو ملّتِ بیضا ہی انھیں کے دم سے
خون ان کا ہی مگر غازۂ روئے اسلام
چمنِ خلد کا اک تازہ گُلِ خنداں ہے
نہیں آغشتہ بخوں ہی وہ جبینِ گلفام
اللہ اللہ وہ رعنائیٔ رخسارِ شہید
بھول سکتی ہی بھلا اس کو نگاہِ ایام
آرزوِ مندِ حیات آہ انھیں کیا جانیں
مر کے ہوتے ہیں جو فردوس مکاں خلد مقام
جب شہادت کی نوید ابدی آتی ہے
ہر نفس زلیت کا انکے لئے ہوتا ہی حرام

کیا زمانہ نہیں اس راز سے آگاہ ابھی　　تابش روئے شہیداں ہی فروغِ اسلام

دی ہی جن کے دمِ جاں بخش نے ملت کو حیات

ان کی روحوں پہ ہو سو بار درود اور سلام

مقدمِ ماہِ صیام

صد شکر کہ رحمت کا مہینہ نظر آیا　　مومن کے لئے وجہ سکینہ نظر آیا

وہ ماہ ہوا جس میں درِ فیضِ ازل باز　　انوارِ الٰہی کا خزینہ نظر آیا

بڑھتے ہوئے طوفانِ ضلالت میں جہاں کو　　عرفان و ہدایت کا سفینہ نظر آیا

ظلمت کدہ دہر کی تاریک فضا میں　　ہر سمت تجلی کا قرینہ نظر آیا

خود چشمِ کواکب کا اشارہ ہی کہ یہ ماہ　　ایام کے خاتم کا نگینہ نظر آیا

اذکار سے پرنور عبادات سے معمور　　ہر بندۂ اللہ کا سینہ نظر آیا

راتیں ہوئیں تسبیح و تراویح سے آباد　　وہ ذوقِ عباداتِ شبینہ نظر آیا

ہی چشمِ تصور میں قم اللیل کا منظر　　نظارۂ سرکارِ مدینہ نظر آیا

توحید کے میخانے ہیں یا صحنِ مساجد　　عابد کے کفِ دست میں مینا نظر آیا

وارفتگی شوق میں سجدوں پہ ہیں سجدے　　پر کیف عجب دورِ شبینہ نظر آیا

ہر سمت ہی پھیلی ہوئی مہتاب تجلی　　ہر گوشہ تماشا گہِ سینا نظر آیا

حق یہ ہے کہ اس ماہ کا ہر لمحۂ اقدس
بامِ فلکِ قدس کا زینہ نظر آیا
صدقے میں ملی جس کے ہمیں دولتِ کونین
مژدہ کہ وہ پر نور مہینہ نظر آیا

شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن

لئے سینہ میں برقِ طور پھر ماہِ صیام آیا
شبستانِ جہاں میں پھر تجلی کا پیام آیا
دل رندانِ مے آشام میں اک حشر برپا ہے
کہ خم خانوں میں پھر دورِ مے و مینا و جام آیا
ملائک عرش پر یہ زمزمہ خوش ہو کے گاتے ہیں
کہ مومن کے لئے پھر کیف و مستی کا مقام آیا
جو تھے زار و زبوں مدت سے ہجرانِ تشنہ کاموں کو
بحمد اللہ پیام لذتِ شرب مدام آیا
مساجد ہیں کہ میخانے ہیں یارب ذکر و عرفاں کے
جسے دیکھو یہاں وارفتگی میں تیز گام آیا
مصلی کی صفیں ہیں یا ہے برپا محفلِ رنداں
ہے کیف "رتل القرآن" یا گردش میں جام آیا
مدارج پے بہ پے گویا کئے طے اس نے عرفاں کے
سوئے میخانہ سرمستی میں جو ہر ایک گام آیا
ہوا ہر رند مینا در بغل اس بزم میں آکر
اٹھا سرشار جو اس میکدہ میں تشنہ کام آیا
خدا کا شکر ہے مدت کے بعد ان پاک راتوں میں
خدا کے پاک بندوں کے لئے دورِ قیام آیا
قیامِ لیل و تسبیح و تراویح و عبادت کا
جدھر دیکھو نظر اک ذوق و شوق و اہتمام آیا
وہ ماہِ پاک جس میں لطفِ یزداں کی نوید آئی
وہ ماہِ پاک جس میں رحمتِ حق کا پیام آیا

وہ ماہِ قدس جس میں عرش سے رُوح الامیں اترے
وہ ماہِ قدس جس میں فرش پر حق کا کلام آیا

وہ ہر اک وقفہ جس کا مہبطِ انوار ربّانی
وہ ہر اک لمحہ جس کا درخورِ صد احترام آیا

وہ لیلائے شبِ قدر اس کے محمل میں ہی آسودہ
کہ جس کا خالِ مشکیں مرکزِ خیر و سلام آیا

بشارت انبیائے پاک جس کی دیتے آئے تھے
وہ انعام ازل اس ماہ میں ہو کر تمام آیا

ہوا نازل سفینہ علم و عرفان و ہدایت کا
صحیفہ حق کا لیکر یعنی خود خیر الانام آیا

بدل دی دل کی دنیا یک قلم ایمان و عرفاں نے
کہ ہستی کے لئے اک تازہ روحانی نظام آیا

سرابستان

مولانا محمد علی کا پیام خلد سے

ہند میں اب نہیں اک رندِ کہن بھی باقی
کون پر شور کرے اب مرے میخانے کو

دیکھ کر ظرف قدح خوار عطا کر ساقی
بادۂ ناب سے رنگیں مرے پیمانے کو

درسِ آئینِ جنوں جا کے کوئی سمجھا دے
بادۂ رہبری قوم کے مستانے کو

گامزن در رہِ لیلائے وطن چوں باشی
شرطِ اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

مٹ گیا بعد مرے قوم سے آئینِ جہاد
کیوں نہ اونچا ہو زمانہ میں سرِ استبداد

للہ الحمد پس از عمرِ دعائے سحر
کاسۂ لیسانِ حکومت کی بر آئی ہی مراد

عہد حاضر کا مجاہد ہی دعا خواہ ترا
تاج برطانیہ تو زندہ و پائندہ باد

لیگ کے طنطنۂ جنگ و صف آرائی میں
اور کیا چیز ہی جز ماتم و آہ و فریاد

شورشِ شیون و ماتم سے کہیں ہوتی ہی
کوئی ملت ستم و جور و جفا سے آزاد

آہ جب اجمل و انصاری و جوہر نہ رہے
شیرِ قالیں سے ہوا بیشۂ ملت آباد

ہر ہوس پیشہ بنا اہلِ نظر میرے بعد
سنگِ خارا ہوا ہم سنگ گہر میرے بعد

شانِ اسلامی کا مظاہرہ

سر سے پا تک تشنۂ ذوقِ جہاد
مضطرب رگ رگ میں خونِ موجزن

مظہرِ جاں بازی و مردانگی
پیکرِ مستانۂ نیروئے تن

بیخودی میں رخ ہی مشہد کی طرف
گھر سے نکلے باندھ کر تیغ و کفن

نعرۂ ہل من مبارز پے بہ پے
غلغلہ انداز افلاکِ کہن

جوشِ اسلامی میں فخرِ روزگار
جرأت و شوکت میں یکتائے زمن

خالد و حیدر سے کوئی کم نہیں
دیکھئے جس کو وہ ہی خیبر شکن

نوحہ و ماتم میں از بس سینہ کوب
شیون و فریاد میں استادِ فن

ہر بنِ مو شکوہ سنج "بزمِ قوم"
غم میں ملت کے سراپا نالہ زن

یہ جہاد و طنطنہ یہ ولولہ
کس لئے ہے؟ بہر تاراجِ وطن

حریت خواہوں سے لڑنے کے لئے
شیر ہیں یہ غازیانِ صف شکن

آستانے پر مگر سرکار کے
بوسہ زن ہے وہ جبین پر شکن

چشمِ عبرت ہو تو اب بھی تازہ ہے
آہ وہ افسانۂ عہدِ کہن

"ننگِ ملت ننگِ دیں ننگِ وطن
جعفر از بنگال و صادق از دکن"

موجِ سراب کی تنک آبی

تعلق ہی جہاں تک شور و غل کا آسماں تک ہی
عمل کو دیکھئے تو صرف فریاد و فغاں تک ہی

اسے تیر و سناں و نوکِ خنجر سے تعلق کیا
یہ سارا جذبۂ مردانگیِ تیغِ زباں تک ہی

فریب آرائیاں لیکن زیادہ چل نہیں سکتیں
طمع کی یہ آب و تاب ساری امتحاں تک ہی

ہمیں معلوم ہی اس موجِ ہمت کی تنک آبی
سمجھتے ہیں سبھی اہلِ نظر پانی کہاں تک ہی

پہنچ اس کی کہاں دار و رسن کی سربلندی تک
رسائی جس جبیں کی صرف سنگِ آستاں تک ہی

سوئے مشہد قدم اک انچ بھی آگے نہیں بڑھتے
جوانمردی کا لیکن طنطنہ سارے جہاں تک ہی

اگر خود قبلۂ اسلام مٹ جائے تو کیا پروا
جہادِ سرفروشی صرف ناقوس و اذاں تک ہی

ہماری حرکتوں پر خندہ زن اقوامِ عالم ہیں
یہ ذلت اب نہ تنہا کشورِ ہندوستاں تک ہی

جہاں دیکھو وہاں انکی سیہ بختی کے چرچے ہیں
مسلمانوں کی رسوائی کی حد یارب کہاں تک ہی

یوم فیروزی

ہی مقرر وطن میں یوم نجات
صدقے اس بغض و کم نگاہی کے

شکر ہی آج ہم ہدف نہ رہے
جورِ اعدا کی بے پناہی کے

للہ الحمد پھر بحال ہوئے
طنطنے اقتدار شاہی کے

مل گئی ہم کو دادِ مظلومی
پائے انعام بے گناہی کے

شکر ہی مل گئے صلے ہم کو
سجدۂ آستانِ شاہی کے

آئے ایامِ فتح و فیروزی
دن گئے آفت و تباہی کے

اب زمیں پر قدم نہیں پڑتے
صدقے اس شانِ کج کلاہی کے

معجزے اک جہاں نے دیکھ لئے
اثر آہِ صبح گاہی کے

کیوں نہ واجب ہو ہم پہ سجدۂ شکر
ہیں یہ احسان سب خدا ہی کے

ہیں یہ اعمال کاسہ لیسوں کے
پھر بھی دعوے ہیں دین پناہی کے

کہئے یہ ہیں فروغ کے آثار
یا ہیں سامان روسیاہی کے

مولانا محمد علی مرحوم کی نوائے درد

کیسے دیکھوں میں آج بار الٰہ / دینِ اسلام کا یہ حالِ تباہ

دردِ دل سے نہیں کوئی واقف / سوزِ غم سے نہیں کوئی آگاہ

خلد میں ہوں مقیم گرچہ مگر / کشورِ ہند کی طرف ہے نگاہ

آہ لب پر وہ آ نہیں سکتا / دیکھتا ہوں جو کچھ میں شام و پگاہ

میرے عہدِ حیات میں یارب / کبھی آیا نہ تھا یہ روزِ سیاہ

ملت ایسی کبھی نہ تھی رسوا / قوم ایسی کبھی نہ تھی گمراہ

وہ مسلماں کہ جس کے نعروں سے / کانپ اٹھتا تھا عرصۂ جنگاہ

آہ ہے آج شکوہ سنجِ فلک / آہ ہے آج وقفِ نالہ و آہ

گریۂ نیم شب خدا کی پناہ / دودِ آہِ سحر معاذ اللہ

اس سے بڑھ کر نہیں کوئی مظلوم / آسمان و زمیں ہیں اس کے گواہ

اس کے مشرب میں کفر سعی و عمل / اس کے مذہب میں جد و جہد گناہ

سینہ کوبی و گریہ و زاری / اک یہی مشغلہ ہے شام و پگاہ

میرے اٹھتے ہی صد ہزار افسوس / ہو گیا قوم کا یہ حالِ تباہ

لالہ و گل چمن میں جب نہ رہے / چھائے ہر سمت برگ ہائے گیاہ

خطاب

بہ معترضین "جرم خطاب و مآلِ غم"

نغز گوئی کے سیکھئے آداب — دیجئے پھر جواب "جرمِ خطاب"
کیجیے لاکھ کاوشِ بیجا — نہیں آساں "مآلِ غم" کا جواب
شاعری ہے عطیۂ فطرت — نہیں ہر شخص اس کا اہل جناب
اللہ اللہ یہ عامیانہ کلام — اللہ اللہ یہ سوقیانہ خطاب
بدزبانی پہ کیوں اتر آئے — آپ سے بن پڑا اگر نہ جواب
عالمِ دیں کو گالیاں دینا — کس شریعت میں ہے قرینِ صواب
وہ خطیبِ اجل کہ ملت میں — کوئی اس کا نہیں نظیر و جواب
یاد ہے آج تک زمانہ کو — اس کا وہ ملہمانہ طرزِ خطاب
وہ خضر جس نے اہلِ ملت کو — سب سے پہلے دکھائی راہِ صواب
وہ مفسر کہ ہر نظر جس کی — آشنائے رموزِ علم کتاب
وہ وطن کی متاعِ بیش بہا — قوم و ملت کا گوہرِ نایاب
آج تک جس کی آبیاری سے — چمنستانِ ہند ہے شاداب

اب بھی ہو مرکزِ نگاہِ نیاز　　اس کی ہستی دکن سے تا پنجاب

ہند میں اس کی مسندِ ارشاد　　اب بھی ہو مرجع اولی الالباب

اس کو دی جائیں گالیاں صد حیف　　کیجئے کچھ تو خوفِ یوم حساب

رتبۂ شانِ بو الکلامی کو　　آہ کیا جانیں اہلِ فسق و سباب

کس کو لاتے ہیں سامنے اسکے　　ذرہ اور آفتابِ عالم تاب

رخِ تاریک سے الٹ دیجے　　اب تو اسلام دوستی کی نقاب

موجزن دل میں جوشِ حبِ فرنگ　　لب مگر درد قوم سے بیتاب

تا بکے یہ فریب آرائی　　ٹوٹنے کو ہی یہ طلسمِ شتاب

جانتے ہیں اسے سب اہلِ نظر

دیر پا اب نہیں یہ موجِ سراب

ایک تقریر

زباں سے دعویٰ مردانگی کا غلغلہ کب تک
جو ہو بیگانۂ ذوقِ عمل وہ حوصلہ کب تک

نہ ہو جس میں حرارت سوزِ دل کی وہ عزیمت کیا
شرارت جس کی فطرت ہو وہ جوش و ولولہ کبتک

سمجھتے وہ بھی ہیں ننگِ وطن کی قدر و قیمت کو
وفاداری بشرطِ استواری کا صلہ کبتک

کہاں تک اپنی بدبختی پہ شورِ گریہ و ماتم
مسلمانوں پہ جور و ظلمِ اعدا کا گلہ کبتک

کہاں تک آپ ہونگے باعثِ رسوائی ملت
دیارِ ہند میں فرمایئے یہ مشغلہ کبتک

رہی یونہی اگر پائے طلب کی گرم رفتاری
سرِ منزل پہنچتا ہی یہ دیکھیں قافلہ کبتک

مناظرِ قدرت

چاند

اے نگار مہ جبیں اے شمعِ بزمِ لامکاں
اے بتِ سیمیں تن اے چشم و چراغ آسماں

تو ہی کس مہرِ درخشاں کا فروغِ مستعار
تو ہی کس شمعِ جمال افروز کا آئینہ دار

جلوہ آرا تجھ میں ہی عکسِ جمالِ روئے یار
دیکھ کر تجھ کو نہ ہوں عشاق کیونکر بیقرار

ہیں ترے شایانِ شان اے ملکِ شب کے تاجدار
یہ قصورِ نیلگوں یہ تخت و تاجِ زر نگار

یہ کمالِ حسن تیرا اور یہ نورانی شباب
اللہ اللہ اس قدر بے پردہ عریاں بےحجاب

ہی ضیا بخشی سے تیری ذرہ ذرہ غرقِ نور
تیری ضو سے بام و در ہیں روکشِ صد کوہِ طور

سطحِ دریا پر بہارِ جلوہ مہتاب ہے
یا بچھی پانی پہ یہ اک چادرِ سیماب ہی

وہ ترا گرداب کے حلقوں میں رقص جلوہ پاش
وہ تری موجوں کے جھرمٹ میں ادائے ارتعاش

شیشہ سیال میں وہ عکسِ مہتابی ترا
موج کی آغوش میں وہ رقصِ سیمابی ترا

اے مہِ شب تاب اے چشم و چراغِ کائنات
اے مہِ شب تاب اے شمعِ شبستانِ حیات

تیرے جلووں سے یہ خانہ بھی عشرت خانہ ہی
تیری ضو سے خانہ ویرانہ بھی کاشانہ ہی

میرے ویرانہ میں بھی کاش آئے دم بھر چاندنی
سایہ اشجار سے آجائے یہ چھن کر چاندنی

میرے پیارے چاند آخر کس قدر پیارا ہی تو
کس قدر حسن آفریں کتنا جمال آرا ہی تو

یہ جمالِ دلربا یہ عارضِ سیمیں ترا
یہ عذارِ یاسمیں یہ خندۂ نوشیں ترا

تو نکلتا ہی تو بڑھ جاتی ہی بیتابی مری
مجھ کو تڑپا دیتی ہی تقدیرِ سیمابی مری

مجھ کو کردیتا ہی سودائی یہ نظارہ ترا
دیکھتا رہتا ہوں میں روئے جمال آرا ترا

تیری کرنوں سے لپٹ جاتا ہوں میں مستانہ وار
چومتا ہوں عارضِ سیمیں ترا دیوانہ وار

تیری ان سیمیں اداؤں پر غرض مرتا ہوں میں
تیرے ان جلووں سے دامانِ نظر بھرتا ہوں میں

تجھ سے جب ہوتی ہیں خلوت کی ملاقاتیں مری
ہائے تو کرتا ہی پھر کیا کیا مداراتیں مری

تو ہی جب تک تجھ سے ہوتی رہتی ہیں باتیں مری
یونہی کٹ جاتی ہیں ساری چاندنی راتیں مری

رہتی ہی پہروں یہی کیفیتِ راز و نیاز
تجھ سے رہتی ہی یونہی گھنٹوں حدیثِ سوز و ساز

باوجود اس قرب کے بھی آہ تجھ سی دور ہوں
اے مہ کامل میں تیرا عاشقِ مہجور ہوں

میرے پیارے چاند آجا تو مری آغوش میں
دوسرا کوئی نہیں اس وادیٔ خاموش میں

گلاب کا پھول

اے آب و رنگ گلہائے خنداں
چشم و چراغِ بزمِ گلستاں

اے شاہدِ گل اے جانِ بلبل
اے ساغرِ مل ایمانِ رنداں

صدقے تری ان رعنائیوں کے
زیب و طرازِ فردوسِ رضواں

قرباں تری ان رنگینیوں پر
حسن و جمالِ جوشِ بہاراں

گلشن ہی تیرے جلووں سی روشن
تو ہی چمن کی شمعِ شبستاں

تو جلوہ زن ہی یا شاخِ گل خود　　ہی گرمیِ ضو سے شعلہ افشاں

تو وہ مرقع ہی رنگ و بو کا　　جس میں جمالِ فطرت ہی پنہاں

تو وہ ادا ہی حسنِ نمو کی　　جس پر کمالِ صنعت ہی قرباں

ہی تیری ہستی وہ نقشِ رنگیں　　خود کلکِ فطرت جس پر ہی نازاں

خوددار تیری سربستہ نکہت　　سرشار تیری بوئے پریشاں

رشکِ عروسِ حجلہ نشیں ہیں　　تیری معطّر دوشیزہ کلیاں

سورج کی کرنیں مشاطہ تیری　　بادِ بہاری گہوارہ جنباں

لیتا ہی بڑھ کر تیری بلائیں　　دستِ شعاعِ مہرِ درخشاں

یہ شانِ تمکیں یہ روئے رنگیں　　آئینہ دارِ حسنِ پشیماں

ہاں اے نگارِ شوخ و ستم گر　　تو اس قدر ہے کیوں فتنہ ساماں

خوں ریز تیری ہر پنکھڑی ہے　　قاتل ہیں تیرے جیب و گریباں

خونِ عنادل کی سرخیوں سے　　رنگیں ہیں تیرے اوراقِ دیواں

تو ہی سراپا وہ جامِ رنگیں　　حاصل ہی جس سے اک کیفِ پنہاں

ہی حسن کا رس تیری رگوں میں　　یا موجِ مے ہی بیتاب و لرزاں

ہی تیرے لب پر موجِ تبسّم　　یا برگِ گل پر ہے برق رقصاں

رگ رگ میں تیری نس نس میں تیری　　صہبائے رنگیں کا کیفِ پنہاں

تنہا نہ بلبل تیری ثنا گر　　شاعر بھی تجھ پر مست و غزل خواں

بالیدہ تجھ سے حسنِ تخیّل　　بیدار تجھ سے احساس و وجداں
تو ہی جمالِ شعر و ادب ہے　　تیرے ہی دم سے رنگیں ہیں دیواں
نکہت سے تیری بیخود ہوائیں
آتی ہے تجھ سے خوشبوئے جاناں

غنچہ

اے غنچۂ گل تیری ادائیں　　کیوں کر نہ میرے دل کو لبھائیں
جانِ سخن ہے تیری خموشی　　رازِ چمن ہیں تیری صدائیں
اسرارِ فطرت کی ترجماں ہیں　　یہ نرم و نازک تیری نوائیں
اے غنچۂ گل تیرے ہی دم سے　　پائیں چمن نے رنگیں قبائیں
ہر صبح موجیں بادِ صبا کی　　لیتی ہیں بڑھ کر تیری بلائیں
راتوں کو ماہ و پروین و انجم　　شبنم کے موتی تجھ پر لٹائیں
یہ ڈالیاں ہیں گہوارہ تیری　　یہ پتیاں ہیں تیری ردائیں
شبنم پلاتی ہو دودھ تجھ کو　　اس طرح جیسے بچوں کو مائیں
تو مست ہو جب خواب سحر میں　　سورج کی کرنیں آکر جگائیں
بادِ بہاری کے نرم جھونکے　　رنگیں ترانے تجھ کو سنائیں
سرشار ہو کر چومیں ترا رخ　　چپکے سے آکر پھر گد گدائیں

ہجولیاں بھی سب تیری ہنس دیں　　کچھ اس ادا سے تجھ کو ہنسائیں

تو اک ذرا سا گر مسکرائے　　نسرین و سوسن سب مسکرائیں

تیرے تبسم کے یہ نظارے　　شاعر کے دل پہ بجلی گرائیں

آتی ہے تجھ سے خوشبو بلا کی　　آ تجھ سے اپنا دامن لبسائیں

موجوں سے تیری عنبر فشاں ہیں　　صحنِ چمن کی ساری فضائیں

پی کر تری ہی کیف آفریں مے　　پھرتی ہیں مست و بیخود ہوائیں

گلشن میں تیری شمعیں ہیں روشن　　پھیلی ہیں ہر سو تیری ضیائیں

تیرے یہ دل کش رنگیں کرشمے　　ہیں حسن فطرت کی سب ادائیں

تو صبحدم جب مستِ نوا ہو　　جھومیں نہ کیوں کر دل کی فضائیں

تو ہی وہ فطرت کا سازِ رنگیں　　پردہ میں جس کے پنہاں نوائیں

تو ہی صحیفہ حسنِ ازل کا　　تجھ کو عنادل کیونکر نہ گائیں

تو اک کلی ہے یا عطر داں ہے　　ہیں مست جس سے ساری فضائیں

مٹھی میں تیری ہے کیسۂ زر　　موجیں صبا کی آکر لٹائیں

ہر پنکھڑی ہے دستِ حنائی　　یا تو یہ تو ہیں رنگیں ردائیں

ہم تجھ کو سمجھیں سیپارۂ دل　　یا جامِ رنگیں تجھ کو بتائیں

کھلتی نہیں ہے تیری حقیقت

تیرے ہی لب یہ پردہ اٹھائیں

برسات

کالی کالی گھٹائیں چھائیں
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آئیں
برق فضا میں ہر سو رقصاں
محو تراوش ابرِ باراں
دیکھے کوئی فلک کا عالم
نالہ و آہ و گریۂ پیہم
روتا ہے یہ کس کے غم میں
یہ تو ہے مشہور ستم میں
خوش اس کے رونے سے زمیں ہے
رنگینی میں خلد بریں ہے
جوشِ طرب میں اس نے اگر
اگلے لعل و زمرد و گوہر
دشت و جبل گلزار ہوئے ہیں
گل سے نازک خار ہوئے ہیں
دیدنی ہے کہسار کا دامن
صدقے اس پہ بہار گلشن
دیکھو گھٹا وہ جھومتی آئی
اور فضا میں ہر سو چھائی
یہ جو نظر آتا ہے بادل
پل میں ابھی کر دے گا جل تھل
آؤ پیاری پیاری بوندو
اے فطرت کی سنواری بوندو
گود میں تم نیساں کے پلی ہو
موتی کے سانچے میں ڈھلی ہو
راہ تمہاری تکتے ہیں سبزے
تم بن سوکھ رہے ہیں پودے
تم ہو آبِ حیات کی بوندیں
کیوں کہیے برسات کی بوندیں
ہاں دیکھو وہ بوندیں آئیں
آبِ بقا کا تحفہ لائیں

خوابیدہ سبزوں کو جگایا
افتادہ پودوں کو اٹھایا
پژمردہ غنچوں کو کھلایا
کمھلائے پھولوں کو ہنسایا
کیا کیا شاہد گل کو سنوارا
کیا کیا سنبل تر کو نکھارا
سب کو جمال تازہ بخشا
حسن کے رخ کو غازہ بخشا
اف یہ کیف وطرب کا عالم
اف یہ جنوں انگیزیٔ موسم
دیکھو جسے سرشار ہوا ہے
بیخود ہر ہشیار ہوا ہے
چھائی ہوئی مستی ہے فضا میں
موج مے اٹھتی ہے ہوا میں
یہ رنگینی یہ رعنائی
شاہد فطرت کی زیبائی
یہ حسن فطرت کے مظاہر
یہ رنگین و حسین مناظر

جس موسم کے ہیں یہ کرشمے
اس کو ہم برسات ہیں کہتے

بہارِ برشگال

اللہ رے کمال دل نشینی
فطرت کی بہار آفرینی
ہر سمت وہ رنگ و بو کا عالم
بالیدگی و نمو کا عالم
یہ جوشِ بہار سبزۂ تر
ہے بر پہ گمان بحرِ اخضر
دیکھے کوئی اس بہار کا جوش
ہے بزم جہاں تمام گل پوش

سبزوں سے ڈھکا ہوا ہی صحرا — فردوسِ نظر بنا ہے صحرا
اک محفلِ رنگ و بو ہی جنگل — ہر سمت بچھی ہے سبز مخمل
میدان پہ چھا رہا ہی سبزہ — بانات بچھا رہا ہے سبزہ
ہاں یہ نہیں سبزہ ہائے نورس — اوڑھے ہی زمیں ردائے اطلس
خوشبوئیاں پوچھئے نہ بن کی — قرباں ہیں وادیاں ختن کی
ہر سطحِ زمیں کا اب یہ عالم — گویا ہی زمردیں مجسم
فطرت کی ہی خوب یہ ادا بھی — زنگار ہے عکس سے فضا بھی
پھولوں سے بھرا ہوا چمن ہی — آراستہ یا کوئی دولہن ہے
ہر نخل ہے اک نگارِ رنگیں — چھائی ہوئی ہے بہار رنگیں
ہر خاک پہ اب گمانِ جنت — اللہ رے جمالِ بزمِ فطرت
اُف کیف و طرب کا یہ زمانہ — ہر لب پہ ہی شوق کا ترانہ
ساقی کی ہیں اس میں سب ادائیں — سرشار ہیں کس قدر گھٹائیں
میخانے کو لے کر سر پہ آئیں — اور چرخ پہ کیف بن کے چھائیں
پھر خاک پہ خم کے خم لنڈھائے — سیلِ مئے آتشیں بہائے
لب تر کئے تشنگی بجھائی — گیتی نے حیاتِ تازہ پائی
پی کر یہ شرابِ ارغوانی — دنیا ہوئی سرخوشِ جوانی
اک میکدہ ہی فضا میں برپا — اٹھتی ہی ہوائیں موجِ صہبا

موسم ہے کمال بیخودی کا سرشاریِ کیفِ سرمدی کا
یہ تیرے جنوں نواز لمحات برسات اے جاں نواز برسات
تو روح ہی بزم آب و گل کی ہی جان جہانِ مضمحل کی
سرسبز ہے کائنات تجھ سے یہ گل کدۂ حیات تجھ سے
تو کیا ہی نویدِ زندگانی ہی آبِ حیات تیرا پانی
جی اٹھتی ہی تجھ سی خاک مردہ جاگ اٹھتا ہی سبزۂ فسردہ
ہر شے میں ہی آب و رنگ تجھ سی مٹی بھی ہی شوخ و شنگ تجھ سی

بجنے لگا کائنات کا ساز
پھونکی تونے جو روحِ اعجاز

گھٹا

وہ دیکھو مے کدہ بردوش پورب سے گھٹا اٹھی جلو میں اپنی لیکر چشمۂ آبِ بقا اٹھی
مثال ساقیِ میخانہ مستِ بادہ رنگیں سراپا بیخود و سرشار و مستانہ ادا اٹھی
خمارِ حسن میں کھوے ہوئے گیسوئے مشکیں کو ردائے قیرگوں اوڑھے ہوئے سرتا بہ پا اٹھی
خیاباں کے لئے بنکر پیام رنگ و بو آئی بیاباں کے لئے لیکر نویدِ جانفزا اٹھی
حیاتِ تازہ دوڑی آب و گل کے ذرہ ذرہ میں نشہ میں جھوم کر دنیا کی خوابیدہ فضا اٹھی
ہوئیں امرت کی بوندیں کارفرما سبزہ و گل میں جہانِ خشک کی پامال کھیتی لہلہا اٹھی

بسائے دامنوں کو عطر و عنبر میں نسیم آئی
نشاط و کیف میں ڈوبی ہوئی موجِ صبا اٹھی

دکھایا اس قدر ابرِ کرم نے جوشِ تردستی
کہ آب و گل کی دنیا موجِ کوثر میں نہا اٹھی

چراغِ لالہ و گل ہر طرف روشن ہوئے ایسے
کہ بزمِ عالمِ امکاں سراپا جگمگا اٹھی

ساحلِ گنگا کے تاثرات

روانی پر تری اے رودِ گنگا جان و دل قرباں
تری موجوں میں ہے عہدِ کہن کی داستاں پنہاں

نمایاں ہے ترے آئینہ میں تصویر ماضی کی
ترے چینِ جبیں میں نقش ہے تقدیر ماضی کی

تمنا ہے ترے جلووں کی پہنائی میں کھو جاؤں
تری ان مضطرب موجوں سے ہم آغوش ہو جاؤں

کسی صورت سے اب قابو نہیں ہے شورشِ دل پر
کہوں کیونکر جو کچھ دیکھا ہے میں نے تیرے ساحل پر

کمی اب تک نہیں ہے اشکِ رنگیں کی روانی میں
جھلک کس کی نظر آئی ہے مجھ کو تیرے پانی میں

ابھی تک نقش ہے دل پر تری موجوں کی بیتابی
وہ اندازِ تلاطم وہ ادائے رقصِ سیمابی

دمِ صبح اللہ اللہ وہ شعاعِ مہر کا عالم
وہ کوسوں تک مسلسل ارتعاش و لرزشِ پیہم

تری یہ مضطرب موجیں ہیں یا کرنوں کا گہوارہ
ترے یہ مرتعش جلوے ہیں یا فردوسِ نظارہ

جدھر دیکھو ہے اک طوفانِ رنگینی و رعنائی
ہے کیف اندوز تا حدِ نظر یہ چشمِ تماشائی

ساونی

بے نور تیرے سامنے ہیں چاندنی کے پھول
تیری بھی کیا بہار ہی اے ساونی کے پھول

شوخی تری ہی باغ کے پھولوں میں انتخاب
رنگت کو دیکھ کر تری شرمندہ ہی گلاب

سرسبز ڈالیوں میں یہ اللہ رے جوشِ رنگ
فرطِ شگفتگی سے ہی ہر شاخ شوخ و شنگ

ہر دوشِ نخل بارِ گلِ تر لئے ہوئے
ہر دستِ شاخ ساغرِ احمر لئے ہوئے

گل رنگ بھی ہی سرخ بھی ہی تو سپید بھی
کچھ تو ہی اس میں فطرتِ رنگیں کا بھید بھی

ہی اختلافِ رنگ ترے حسن کا کمال
جانِ بہار ہی تری نیرنگیِ جمال

سر پر ہر ایک شاخ کے پھولوں کا یہ ہجوم
نظارہ فرطِ کیف سے جاتا ہی جھوم جھوم

گرنا ترا زمین پہ وہ حسنِ ادا کے ساتھ
اڑنا وہ دور تک کبھی موجِ ہوا کے ساتھ

تیرے لطیف پھول صبا کا یہ اہتزاز
ہی کس قدر یہ منظرِ رنگیں جنوں نواز

تیری یہ سرخوشی ہی بتا کس کے جام کی
نسبت عطا ہوئی ہی تجھے کس کے نام کی

ساون کے جوشِ حُسن کی شاہد ہے تو مگر
اس موسمِ بہار کی قاصد ہے تو مگر

نمودِ صبح

ہونے لگا چاک پردۂ شب
جھڑنے لگے آسماں سے کوکب

جلوے ہیں وہ اب نہ وہ تبسم
بے نور ہوئے چراغِ انجم

روشن تھے فلک پہ جو ستارے
اب بزمِ عدم کو سب سدھارے

پردیں ہی نہ اب شہابِ ثاقب
برہم ہوئی محفلِ کواکب

چلنے لگی بادِ صبح گاہی
چھٹنے لگی رات کی سیاہی

رخصت ہوئی ظلمتِ شبِ تار
عالم ہوا ہم کنارِ انوار

ظاہر جو ہوا سپیدۂ صبح
یعنی وہ فروغِ دیدۂ صبح

ظلمت ہوئی رفتہ رفتہ کافور
گیتی ہوئی غرقِ موجۂ نور

آثارِ سحر ہوئے ہویدا
ہر سمت تجلیاں ہیں پیدا

اللہ رے فروغِ صبحِ روشن
قربان ہی جلوہ گاہِ ایمن

دیکھے کوئی روئے صبحِ خنداں
ہی رقص میں موجِ آبِ حیواں

خنداں ہیں رخِ نہالِ فطرت
بے پردہ ہی اب جمالِ فطرت

آفاق پہ چھا گئی صباحت
ہر شے پہ ہی غازۂ ملاحت

اس شان سے صبحِ تازہ آئی
بہرِ رخِ لیل غازہ لائی

بھیگی جو یہ صبح کی فضا ہے
اوڑھے ہوئے شبنمی ردا ہی

رقصاں ہے لبوں پر موجِ تسنیم ڈالے ہوئے رُخ پہ چادرِ سیم

ہر موج ہوا شمیم در بر ہر سانس نسیم روح پرور

ہر شے پہ ہے ایک کیف طاری ہر سمت ہے جوئے شیر جاری

پلنے لگے سب غذائے روحی ڈھلنے لگی بادہ صبوحی

دی مرغِ سحر نے بانگ پیہم بیدار ہوا بسیطِ عالم

چڑیاں لگیں مل کے چہچہانے گانے لگیں حمد کے ترانے

تھا خالقِ پاک کا ثنا گر ہر برگ شجر زبان بن کر

اس کیف سے تھا نہ کوئی خالی رقصاں تھی خوشی میں ڈالی ڈالی

گونجے ترے دم سے دیر و معبد اللہ رے تیری آمد آمد

ہر سمت ہوئیں بلند اذانیں ہونے لگیں بے قرار جانیں

دوڑی رگ و پے میں برقِ تاثیر گونجا جو فضا میں شورِ تکبیر

مسجد کی طرف چلے نمازی دل میں لئے ذوقِ پاکبازی

یعنی ہوئے بندگانِ مقبول اورادِ سحر گہی میں مشغول

دیکھو جسے اب وہ سبحہ خواں ہے تسبیح و ثنا میں تر زباں ہے

وا ہے یہ بیاضِ صبحِ خنداں یا باز ہے اک کتابِ عرفاں

ہر برگ ہے دفترِ معارف ہر سو ہے کھلا درِ معارف

وقتِ فیضِ سحر گہی ہے غافل! ہنگام آگہی ہے

فطرت کی ہے عین کارسازی یہ صبح کا فیضِ جاں نوازی
ہیں لائق صد ہزار عبرت اب بھی ہیں جو محو خوابِ غفلت
ہے حیف ہزار بار اس پر بستر سے اٹھے نہ اب بھی جو سر
اٹھ کر نہ ادا کرے دوگانہ غافل نہ ہو سر بر آستانہ
خالق سے کرے نہ التجائیں مانگے نہ جو صبح کی دعائیں
ہو وردِ زباں نہ یا الٰہی لب پر نہ ہو آہِ صبح گاہی
اس کو نہیں رازِ زیست معلوم
ہے ذوقِ حیات سے وہ محروم

تغزل

گناہِ عشق بھی ہے لذتِ دار و رسن بھی ہے بحمد اللہ تازہ اب یہ آئینِ کہن بھی ہے

ہوئی ہے ہم سے پھر رسمِ جنونِ عاشقی تازہ ہمارے دم سے پھر صہبائے الفت کا چلن بھی ہے

بجھاتے تھے جو اپنی تشنگی صہبائے عشرت سے اب ان کا ذوقِ ہمت تشنۂ دردِ محن بھی ہے

نہ یہ سورش ہے مینا میں نہ یہ مستی ہے صہبا میں عجب شے یہ خمارِ بادۂ حبِ وطن بھی ہے

نہ نکلا سر سے آخر یہ جنونِ عشق و سرمستی بہت گو ہر طرف ہنگامہ دار و رسن بھی ہے

کہاں اب سرفروشانِ وفا کے قافلے جائیں
کہ اب کم حوصلہ دستِ جفائے تیغ زن بھی ہے

مجھ کو ادائے شکر کے قابل بنا دیا ان کی نگاہِ ناز نے بسمل بنا دیا

ایک اولیں نگاہ کو کمبخت عشق نے میری حیاتِ شوق کا حاصل بنا دیا

اک قطرۂ چکیدۂ خوں کی بساط کیا ان کی نظر نے دل کو مرے دل بنا دیا

ہاں ان کی چشمِ مست نے کونین سے مجھے غافل بنا دیا، مجھے غافل بنا دیا

جانِ حزیں کے پاس ہی تھی انکی جلوہ گاہ
تو نے کہاں کہاں اسے لے دل بنا دیا

نہیں اب التفاتِ نرگسِ مستانہ برسوں سے وہ جانِ میکدہ کیوں مجھ سے ہے بیگانہ برسوں سے

ترستا ہے تصور اک ادائے حسنِ رنگیں کو نہیں آتا نظر وہ پیکرِ جانانہ برسوں سے

نہ جانے درد ہے یا دل بس اتنا جانتے ہیں ہم کہ رگ رگ میں نہاں ہے برقِ بیتابانہ برسوں سے

ادھر بھی اک نگاہِ التفات اے جلوۂ ایمن ترے دم سے ہے روشن طور کا افسانہ برسوں سے

کبھی تو وادیٔ دل پر بھی اک بجلی چمک جائے
کہ محرومِ تجلّی ہے مرا غم خانہ برسوں سے

وہ جا کر بھی آنکھوں میں چھائے ہوئے ہیں
نگاہوں میں اب تک سمائے ہوئے ہیں

غم ماسوا کو بھلائے ہوئے ہیں
کسی سے جو اب لَو لگائے ہوئے ہیں

معنبر ہیں زلفیں معطّر ہیں عارض
وہ پھولوں میں گویا بسائے ہوئے ہیں

صباحت وہ ہے پیکرِ نازنیں میں
کہ کوثر میں گویا نہائے ہوئے ہیں

وہ خود اپنی سرشار آنکھوں سے مجھ کو
شرابِ محبت پلائے ہوئے ہیں

چمکتی ہے ہر سمت برقِ تجلّی
کہ وہ رُخ سے پردہ اٹھائے ہوئے ہیں

یہ حالت ہے اب ان کے سودائیوں کی
بہت زیست سے تنگ آئے ہوئے ہیں

ہمیں اب نہیں درخورِ بزم ورنہ
وہ ساقی وہی ہے وہ محفل وہی ہے

تڑپتا ہے پہلو میں جو درد بن کر
مرا دل وہی ہے مرا دل وہی ہے

ہمیں بجھ گئے ہیں نہیں تو چمن میں
وہی گل ہے شورِ عنادل وہی ہے

جسے ہم سمجھتے رہے جانِ ہستی
حقیقت میں اک نقشِ باطل وہی ہے

کہاں آہ صحرا سے اب اٹھ کے جائیں
کہ پھر شورشِ وحشتِ دل وہی ہے

کہوں کیا میں اس عارضِ دلربا کو
مِرے دین و ایماں کا حاصل وہی ہے

کیجئے ذکر نہ اب طور کے افسانے کا
دیکھئے جلوۂ صہبا مرے میخانے کا

فکر کعبہ کی نہ کچھ ہوش صنم خانے کا
ایک عالم ہی نیا اب ترے دیوانے کا

ہی امین درد محبت کا مرا شیشہ دل
میں ہوں سرشار ازل سے اسی پیمانے کا

شعلہ طور سے تعبیر جسے کرتے ہیں
ہی وہ اک جلوہ رنگین مرے میخانے کا

آج خم خانہ ہستی میں کہیں بھی ہی جواب
چشم ساقی کے چھلکتے ہوئے پیمانے کا

تیرے آنے سے بہار آگئی اے جانِ بہار
ورنہ یہ رنگ نہ تھا میرے سیہ خانے کا

دلربائی کا حق ادا نہ ہوا
جلوۂ حسن برملا نہ ہوا

ہائے رعنائی فریب خیال
جا کے بھی مجھ سے وہ جُدا نہ ہوا

تم نہ کھینچو جگر سے پیکاں کو
دل ابھی لذت آشنا نہ ہوا

دیکھ لی جس نے ان کے رخ کی بہار
لالہ و گل پہ وہ فدا نہ ہوا

گو ہوا عرش رس مگر پھر بھی
اثر نالۂ رسا نہ ہوا

ہائے بیمار اور وہ بیمار
جو کبھی طالبِ شفا نہ ہوا

جس کو اپنا بنالیا تو نے
جیتے جی پھر وہ غیر کا نہ ہوا

بیخودی میں بھی دیکھنا ان کو
نگہ شوق سے روا نہ ہوا

متاعِ دو جہاں، کونین کا حاصل سمجھتے ہیں
ازل سے ہم بحمداللہ دل کو دل سمجھتے ہیں

دل درد آشنا کیا ہے عطیہ فیضِ فطرت کا
اسے دیتے ہیں جس کو جوہر قابل سمجھتے ہیں

جمالِ عشق کی نیرنگیوں کو دیکھنے والے
غبار قیس کو بھی رونقِ محمل سمجھتے ہیں

جبینِ شوق کو مطلوب ہے بس نقشِ پا ان کا
نشانِ ماسوا کو ہم خطِ باطل سمجھتے ہیں

کہاں موجِ نسیمِ صبح کی یہ عنبر افشانی
کوئی فتنہ ہم اس میں اور بھی شامل سمجھتے ہیں

کرلیں اب شامِ غم کو ہم رنگیں
رولیں خوں چشم اشک بار سے ہم

کیا کھلیگی کبھی یہ دل کی کلی
خوش ہوں کیا آمدِ بہار سے ہم

لائے ہیں اک بہارِ داغِ جنوں
ارمغاں حسن کے دیار سے ہم

ہوگئے لذت آشنائے نشاط
تلخیٔ جورِ روزگار سے ہم

لاکھ وعدہ وفا نہ ہو پھر بھی
مست ہیں کیفِ اعتبار سے ہم

آپ ہوں خنجر آزما تو کبھی
باز آئیں گے جانِ زار سے ہم

دل میں کیا کیا لئے ہوئے اٹھے
آستانِ حریمِ یار سے ہم

ہیں یہ اندازِ شوق مستِ خراب
لذتِ کیفِ اعتبار سے ہم

نوید جانفزا بن کر پیامِ دلنشیں ہوکر
اٹھیں پھر وہ نگاہیں میری جانب شرگیں ہوکر

نہیں اس کے سوا کچھ بھی خبر ساقی کی محفل میں
گذر جاتا ہوں اکثر ماہ و پرویں کے قریں ہوکر

فروغ ماہ وانجم میں جمال لالہ و گل میں
کوئی ہی جلوہ فرما ہر طرف حسن آفریں ہوکر

جمال یار کی رنگینیاں چھاتی ہیں فطرت پر
کہیں ماہِ مبیں ہوکر کہیں خلدِ بریں ہوکر

یہ موجِ مضطرِ مینا تڑپ کر اب نہ جا پہنچے
فضائے قدس تک بال و پر روح الامیں ہوکر

بہار داغِ خونیں میں نگار اشکِ رنگیں میں
نمایاں ہی الٰہی کون یہ نقشِ نگیں ہوکر

درس عرفاں کے لئے کچھ کم نہیں برگ و گیاہ
محو ہو جاتے ہیں فطرت کا یہ دفتر دیکھ کر

پتے پتے پر رقم ہی داستانِ خونِ دل
ہم تڑپ اٹھتے ہیں اوراقِ گُلِ تر دیکھ کر

عارض رنگیں نگاہِ مست چشمِ نیم باز
بزمِ فطرت مست ہی یہ حسنِ منظر دیکھ کر

اک حیاتِ تازہ دوڑادی شعاعِ مہر نے
جاگ اٹھا ہر ایک ذرہ روئے انور دیکھ کر

کچھ انھیں پردوں سے اب ان کا تماشا کیجئے
دیکھیے وہ عارض رنگیں گل تر دیکھ کر

محفل ساقی میں اب وہ شیوۂ مستی کہاں
رند ہو جاتے ہیں سرخوش جام و ساغر دیکھ کر

بزم میں برقِ تجلی کا گماں ہونے لگا
ہر طرف موج شراب روح پرور دیکھ کر

کیا انھیں آیا نظر مرے سرشکِ شوق میں
پھیر لیں کیوں وہ نگاہیں دیدۂ تر دیکھ کر

نظر اس عارضِ زیبا پہ نازیبا نہ ہو جائے
کہیں سوءِ ادب کا شائبہ پیدا نہ ہو جائے

نہ ابھرے اس رخِ رنگیں کا اک اک نقشِ زیبائی
نگاہِ شوق اگر خود جا کے حسن آرا نہ ہو جائے

نگاہوں سے اتر کر جو دلوں میں نقش ہی اب تک
محبت کا وہ رازِ اولیں افشا نہ ہو جائے

رگوں میں دوڑتی ہی جس کی موجِ آتشیں اب تک
کہیں گردش میں پھر وہ ساغرِ صہبا نہ ہو جائے

تصور جس کی لذت سی ابھی تک رقص کرتا ہی
وفا یارب کہیں وہ وعدۂ فردا نہ ہو جائے

جنھیں دیکھا نظر آئے حسیں سے
نظر یہ حسن لاتی ہے کہیں سے

فضائے لامکاں تک ہی معطر
کسی کے در کی خاکِ عنبریں سے

نویدِ زندگی ملتی ہے کیا کیا
نظر کو اس رخِ حسن آفریں سے

جسے ملتی ہو ساقی کے لبوں سی
اسے کیا کام شیر و انگبیں سے

سلامت میری فردوسِ تصور
کہ رنگیں ہی جمالِ ہم نشیں سے

ہمیں تنہا نہیں دنیا ہی سرمست
کسی کی نرگسِ سحر آفریں سے

بہت ہی عمر بھر کی بے خودی کو
ملی ہی جو نگاہِ اولیں سے

چلی آتی ہی کس کی بوئے جاں بخش
صبا کی مست موجِ عنبریں سے

ملے سجدے جو ان کے آستاں کے
گہر نکلے مژہ کی آستیں سے

نظر نے لی ہی رنگینی جہاں سے
ملے ہیں حسن کو جلوے وہیں سے

نہیں مٹنے کا دل سے داغِ الفت جدا ہو نقش خود کیونکر نگیں سے
جہاں کا ذرہ ذرہ رقص میں ہی محبت کی شرابِ آتشیں سے
حقیقت ہائے ہستی پوچھتے کاش کسی دیوانۂ صحرا نشیں سے

اسی کو رند سمجھے جلوۂ طور
تڑپ اٹھیں جو موجیں ساتگیں سے

کرشمہ ہائے تیرِ نظر دیکھ لینا ذرا میرے زخمِ جگر دیکھ لینا
انھیں مست آنکھوں کی تم کو قسم ہی ادھر بھی کبھی اک نظر دیکھ لینا
کہیں ان کی خوشبو نہ لائی ہو ظالم! ذرا جیبِ بادِ سحر دیکھ لینا
اٹھا کر نقاب اس رُخِ دلربا سے ذرا تابِ اہلِ نظر دیکھ لینا
تجھے کیا ہی دشوار چشمِ تصور! انھیں ہر طرف جلوہ گر دیکھ لینا
قفس میں گرائیں گے برقِ نشیمن میرے آتشیں بال و پر دیکھ لینا

نظر یوں تو اس رخ پہ سوءِ ادب ہے
روا ہی مگر اک نظر دیکھ لینا

ساقی

ادھر بھی بخش دے اک جرعۂ کیف آفریں ساقی
تری مخمور آنکھوں پر فدا دنیا و دیں ساقی

اٹھا تو بھی اسی عالم میں جام و ساتگیں ساقی
گھٹاؤں سے برستی ہی شرابِ آتشیں ساقی

ہر اک موج صبا اب موجِ صہبا بن کے آتی ہی
فضائیں بن گئی ہیں میکدہ کی سرزمیں ساقی

برستا ہی زمیں پر آبِ حیواں ابرِ باراں سے
بہادے تو بھی اٹھ کر جوئے شیر و انگبیں ساقی

گھٹائیں جھوم کر اٹھیں تو میکش یہ پکار اٹھے
کسی نے کھول دی ہی اپنی زلفِ عنبریں ساقی

تخیل تیرے جلووں کا تصور تیری آنکھوں کا
یہ عالم ہی کہ اب ہی رقص میں جانِ حزیں ساقی

تجلی ہر طرف ہی بزم میں یہ جامِ رنگیں کی
فروغ انگیز ہے یا تیری تابندہ جبیں ساقی

ترے ساغر سے جس دم بارشِ انوار ہوتی ہی
فلک کیا، جھومتا ہی کیف میں عرشِ بریں ساقی

تجلی کا وہ عالم اور وہ دستِ ناز میں ساغر
کہاں یہ تاب رندوں میں کہ ہوں تیرے قریں ساقی

رگوں میں دوڑتی ہی روح بن کر آرزو کس کی
رہا کرتی ہیں یہ آنکھیں شہیدِ جستجو کس کی

مرے ذوقِ نظر کا حسن ہی یا انکے جلوے ہیں
رخ فطرت پہ چھائی ہی بہار رنگ و بو کس کی

یہ دل کا راز ہی اس کو زباں پر کس طرح لاؤں
کہ روز اولیں سے تم ہو جان آرزو کس کی

انھیں بھی کاش اس حسنِ محبت کی خبر ہوتی
جھلکتی ہی مرے ان آنسوؤں میں آبرو کس کی

کبھی اے کاش اس نسبت کا بھی کچھ پاس کر لیتے
بہارِ آرزو تم ہو بہارِ آرزو کس کی

ازل سے تابعِ فرماں ہی دورِ آسماں میرا
زمانہ کیا مٹا سکتا ہی نقشِ جاوداں میرا

ہجومِ برق و باراں ہو کہ طوفانِ شرر باری
انھیں شعلوں میں ہی پنہاں فروغِ آشیاں میرا

نہ سنگِ راہ حائل ہے نہ مانع دوریِ منزل
بڑھا جاتا ہی جوشِ بیخودی میں کارواں میرا

زبانِ شمع ہوں کس سے کہوں سوزِ دروں اپنا
نظر آتا نہیں محفل میں کوئی ہمزباں میرا

جھکی ہی آج کیوں اغیار کے در پر جبیں میری
کبھی عالم میں تھا مسجودِ عالم آستاں میرا

گذرتے ہیں جو لمحے چشمِ ساقی کے تصور میں
وہی دراصل ہی کل حاصلِ عمرِ رواں میرا

محبت میں کچھ ایسی بات پیہم ہوتی جاتی ہے
کہ ساری زندگی اک مستقل غم ہوتی جاتی ہے

لہو رونے پہ مائل چشمِ پرنم ہوتی جاتی ہے
مری دنیائے غم شاداب و خرم ہوتی جاتی ہے

ٹپک کر چہرہ افسردہ کو شاداب کرتی ہے
مرے آنسو کی ہر بوند اشکِ شبنم ہوتی جاتی ہے

سکونِ دل کا شیرازہ پریشاں ہوتا جاتا ہے
مگر شانوں پہ انکی زلفِ برہم ہوتی جاتی ہے

نشاطِ دل کے ساماں خود مہیا ہوتے جاتے ہیں
متاعِ درد و غم یعنی فراہم ہوتی جاتی ہے

مری شب اے خدا کیا شمعِ سوزاں کی شبِ غم ہے
سحر ہوتی ہی جوں جوں زندگی کم ہوتی جاتی ہے

وہی ہیں بزم عالم کی نشاط انگیزیاں لیکن — نہ جانے کیوں طبیعت مائل غم ہوتی جاتی ہے
دل ویراں بھی یارب کیا کوئی معمورۂ غم ہے — یہاں کی ہر خوشی تمہیدِ ماتم ہوتی جاتی ہے
یہ عالم اب مری آشفتگی کا ہے کہ ہر شے سے
مری طبعِ حزیں آمادۂ رم ہوتی جاتی ہے

چاروں طرف یہ حسن کی دنیا ہے جلوہ گر — یا خود بدل گیا ہے مرا نقطۂ نظر
بس بس کہ عمر بھر کے لیے ہے نشاط بخش — ساقی تری نگاہ کا یہ دور مختصر
اب اس مقام پر مری شورشِ جنوں — نہ آہِ نیم شب ہے نہ ہے نالۂ سحر
میں کیا یہ کائنات ہی ساری بدل گئی — خود جب سے بن گیا ہے کوئی مطمحِ نظر
ہوتے ہیں یہ ہر اہلِ جنوں کو کہاں نصیب — قسمت سے مل گئے ہیں مجھے یہ دل و جگر
اے عشقِ غم نواز تری عمر ہو دراز — تو نے بنا دیا غم ہستی سے بے خبر
اُف میں تمہاری یاد و تصور کو کیا کہوں — فردوسِ فکر یہ ہے وہ ہے جنتِ نظر
ہیں سرخوشانِ شوق کہاں آئے اب یہاں
کب سے ہے باز وہ درِ میخانۂ نظر

نہیں جاتی دلِ مضطر کی بے تابی نہیں جاتی
کہ خود سیماب سے تقدیرِ سیمابی نہیں جاتی

ہوئے موقوف نالے روز و شب کے، تھم گئے آنسو
مگر راتوں کو ان آنکھوں کی بے خوابی نہیں جاتی

نظر آئے تھے کس عالم میں وہ چشمِ تصور کو
ابھی تک چہرہ محزوں دل کی شادابی نہیں جاتی

حجاب اندر حجاب و پردہ اندر پردہ ہو پھر بھی
رُخِ روشن کے جلووں کی جہاں تابی نہیں جاتی

سجودِ شوق ہو وہ بھی بشرطِ ہوش و بیداری
جنوں میں بھی محبت کی خوش آدابی نہیں جاتی

جنوں ہو آگہی ہو، وصل ہو یا ہجر کا عالم
مرے دردِ محبت کی جگر تابی نہیں جاتی

وہی بس چند آنسو جو ہر حسنِ محبت ہیں
کہ مٹی میں بھی مل کر جن کی خوش آبی نہیں جاتی

حیات اک مستقل غم کی کہانی ہوتی جاتی ہے
محبت ہی مآلِ زندگانی ہوتی جاتی ہے

ہر اک شے سے جہاں کی سرگرانی ہوتی جاتی ہے
قیامت اب مری شوریدہ جانی ہوتی جاتی ہے

نظر کی جلوہ سنجی ناز تھا جس پر کبھی دل کو
وہی اب اک بلائے ناگہانی ہوتی جاتی ہے

دلِ محزوں سے ہر نقشِ تصور مٹتا جاتا ہے
مگر اک یاد ان کی جاودانی ہوتی جاتی ہے

نظر آنے لگا ہے اور ہی کچھ منظرِ فطرت
نگاہوں پر یہ کس کی حکمرانی ہوتی جاتی ہے

محبت نے چھپا رکھی ہے جو اک آگ سی دل میں
وہی آنکھوں سے اب بہ بہ کے پانی ہوتی جاتی ہے

زبانوں پر کبھی یہ حرفِ نازک آ نہیں سکتا
حدیثِ شوق آنکھوں کی زبانی ہوتی جاتی ہے

تغافل اور یہ پیہم تغافل اے معاذ اللہ
مجھی پر خاص کیوں یہ مہربانی ہوتی جاتی ہے

وہ دُزدیدہ نظر جانِ معانی ہوتی جاتی ہے
نہاں ہیں اس میں نکتے سینکڑوں حسن و محبت کے

نہ اب وہ ولولے ہیں اور نہ ذوقِ زندگی باقی
حیاتِ شوق نذرِ عمرِ فانی ہوتی جاتی ہے

متفرقات

تمت

اُردو

یہ دل کشیِ زبانِ اُردو — رنگینیِ داستانِ اُردو

ہیں شہد سے بھی زیادہ شیریں — لب ہائے شکر فشانِ اُردو

ہر حرف میں اس کے ہے حلاوت — پڑھئے تو ذرا بیانِ اُردو

معمور خزانۂ ادب سے — دامانِ گہر نشانِ اُردو

رنگین بہارِ بے خزاں ہے — ہر گوشۂ گلستانِ اُردو

اسلاف کی آبیاریوں سے — شاداب ہے بوستانِ اُردو

ہیں غالب و میر و داغ و اقبال — سرمایۂ عز و شانِ اُردو

حالی کی نوائے روح پرور — ہے زندگیِ روانِ اُردو

شبلی کے خزانۂ ادب سے — ملتی ہے حیاتِ جانِ اُردو

چکبست و رتن ہیں سر بہ سجدہ — اندر سے آستانِ اُردو

ہے فیضِ نفیس کا ابھی تک — آباد ہے خاندانِ اُردو

عبدالحق و ابو الکلام و سید — ہیں نازشِ دودمانِ اُردو

روشن ہے فروغِ مہر و مہ سے — اب محفلِ آسمانِ اُردو

ہاں کشورِ ہند تک فقط اب — محدود نہیں جہانِ اُردو

کشمیر سے لے کے تا بہ کابل — ہر فرد ہے نغمہ خوانِ اُردو

دنیا کی تمام وادیوں میں — ہی گونج رہی اذانِ اُردو
بے خوف و خطر ہی جادہ پیما — ہر راہ میں کاروانِ اُردو
دیکھو جسے لذّت آشنا ہے — ہر سمت بچھا ہی خوانِ اُردو
یہ حسنِ قبول اللہ اللہ — ہی معجزۂ زبانِ اُردو
اغیار ہوں لاکھ درپئے محو — مٹنے کا نہیں نشانِ اُردو
لاریب وہ ہند کی زباں ہی — کہتے ہیں جسے زبانِ اُردو
جس گوشہ میں ڈھونڈھیے ملیگا — اس ملک میں ترجمانِ اُردو
سرشار و شرر کے جو ہیں منکر — ہیں دشمنِ خاندانِ اُردو
سررشتۂ اتحادِ قومی — ہی آج فقط زبانِ اُردو
اس دیس میں ہیں بہی وطن دوست — ہیں آج جو حامیانِ اُردو

بے شبہ وہ ملک کے ہیں دشمن
ہیں آج جو دشمنانِ اُردو

امام الہند

کی

خدمتِ اقدس میں عید قرباں کی پیش کش تہنیت

عجب انداز سے تیاریاں ہیں عید قرباں کی
خلیل اللہ کی سنت ادا ہوتی ہی زنداں میں

زباں پر نعرۂ تکبیر ہی پاؤں میں زنجیریں
اے روحِ عشق زندہ عصرِ حاضر کے مسلماں میں

وطن کا یوسفِ گم گشتہ جس میں جلوہ فرما ہی
سلام شوق پہنچا دے صبا اس یوسفستاں میں

عجب کیا یہ سفر ہو آپ کا تمہید آزادی
وہ دن لائے خدا جب ہم منائیں عید آزادی

ایک داعیِ امن

کی

حیاتِ نو

اللہ رے جہاں میں تری شانِ زندگی — خود زندگی ہوئی ترے قربانِ زندگی

بخشا خدا نے تیرے دمِ واپسیں کو پھر — رُوحِ حیاتِ نو سر و سامانِ زندگی

صد شکر تیرے قالبِ افسردہ کو ملی — فیضِ ازل سے از سرِ نو جانِ زندگی

وہ شمعِ جاں کہ تھی ہدفِ صرصرِ اجل — صد شکر آگئی تہِ دامانِ زندگی

دستِ اجل نے تجھ کو دیا ساغرِ حیات — تو ہے وہ مستِ بادۂ عرفانِ زندگی

اس وقت بھی تو سرخوشِ کیفِ بقا رہا — باقی رہا نہ جب کوئی امکانِ زندگی

کس کو ملا ہے دہر میں یہ رتبۂ حیات — سارا جہاں ہے تیرا ثنا خوانِ زندگی

اس بات پر ہے عالمِ انسانیت گواہ — چھایا ہے چار سو ترا فیضانِ زندگی

ہستی تری ہے سب کے لئے اک نویدِ امن — ہے دشمنوں پر بھی ترا احسانِ زندگی

تو دہر میں ہے امن و اماں کا پیامبر — ہے صلح و آشتی ترا ایمانِ زندگی

رحمت تری سرشت ہے، رأفت ترا شعار — دنیا میں ہے یہی ترا عنوانِ زندگی

ہو کس لئے نہ تیرے لئے بیقرار قوم — تیرا وجود ملک میں ہے جانِ زندگی

صد حیف اس کے واسطے یہ اہتمامِ مرگ — جس کی ہر ایک سانس ہو شایانِ زندگی
باایں ہمہ بتاؤ کوئی اس کا کیا کرے — ملتا ہو جس کو غیب سے سامانِ زندگی
سنتی ہو دمبدم جو تجھے مژدۂ حیات — فطرت ہو خود ہی تیرے لئے فرمانِ زندگی
اعدائے زندگی ترے مایوس کیوں نہ ہوں — خود جب خدا ہو تیرا نگہبانِ زندگی

دورِ ازل سے ہے یہی ایمانِ حق پرست
دشمن اگر قوی ست نگہبان قوی تر ست

مقدم

حیاتِ شبلی

کی رقم خامۂ سید نے حیاتِ انساں — منتظر جس کے تھے سب ہند سے تا مصر و حجاز
سیرتِ سرورِ کونین سے فارغ ہو کر — اس صحیفہ کا بصد شوق ہوا تھا آغاز
للہ الحمد ہم ایسا کار بہ پایاں برسید — زیبِ قرطاس ہے شبلی کا ہر اک نقش و طراز
یہ بھی خود کہنا سلیماں کا ہے اک نقش بدیع — جس طرح سیرتِ سرکار ہے اس کا اعجاز
دیکھنے کے لئے خود بانیٔ سیرت کی حیات — دیدۂ شوقِ ملائک بھی عقیدت سے ہے باز
دیر سے منتظرِ دید تھیں آنکھیں ان کی — حرزِ جاں کیوں نہ بنائیں اسے اربابِ نیاز

کارنامہ ہے یہ اس نامورِ دوراں کا
جس کے دم سے تھے پُرآوازہ کبھی شام و حجاز

ہے یہ اس نکتہ ورِ عصر کی تاریخِ حیات
ہند میں ربع صدی تک جو رہا نکتہ طراز

جس نے عالم میں معانی کا کیا رتبہ فزوں
دہر میں جس نے معارف کا کیا پایہ فراز

عصر کا اپنے وہ ہم پایۂ رازی تھا، جس نے
اہلِ تحقیق پہ کھولا درِ گنجینۂ راز

اس کی تحقیق کے آئین تھے زمانہ سے الگ
اس کی تحریر کا دنیا سے جدا تھا انداز

شرحِ صد عقدۂ دشوار تھی اس کی تفصیل
بسطِ صد دفترِ اسرار تھا اس کا ایجاز

نظر اس کی تھی رہ و رسمِ کہن سے آزاد
ہنر اس کا تھا زمانہ کے ہنر سے ممتاز

جس قدر اس کے زمانہ کے تھے آدابِ علوم
شہبِ خامہ تھا ہر راہ میں گرمِ تگ و تاز

خوابگہ اس کی کہ ہے دہر میں سرچشمۂ فیض
آج بھی اہلِ جہاں کے لئے ہے علم نواز

اب بھی ہے جلوہ دہِ مسندِ شبلی صد شکر
ذاتِ سید کہ ہے استاذ کا سرمایۂ ناز

اس صحیفہ پہ عجب کیا جو چلی آتی ہے
مرقدِ پاک سے احسنتؔ کی بہم آواز

روحِ استاد ہے یوں زمزمہ پردازِ دعا
اے خدا عمرِ سلیماں بہ جہاں باد دراز

ملّتِ اسلام
کا
مفکّرِ اعظم

کرتا ہی اوجِ سلطنت اس کے قدم کا اِستلام
آنکھ جو ہو تو دیکھئے مرتبۂ ابو الکلام

صدقے نہیں جو آج خود اس کے علوئے شان پہ
کون ہی وہ افتخار کون ہی وہ احترام

اس کی فراست آج ہی بحث و نظر سے ماوری
ہاتھ میں جس کے ہی سپرد مجلسِ قوم کی زمام

قوم کے میر کارواں، صدر نشینِ کانگریس
ملّتِ حق کے خضرِ راہ دیں کے مفسر و امام

عرصہ کارزارِ حق جس کے قدم سے حشر خیز
معرکۂ جہادِ قوم جس کے قلم کا تشنہ کام

صلح ہو یا کہ جنگ ہو، بزم ہو یا کہ رزم ہو
وقت کے ہر محاذ پر فاتح و فائز المرام

پایا نہ بزمِ عصر نے ایسا مفکّرِ عظیم
دیکھا نہ چشمِ دہر نے ایسا مجاہدِ ہُمام

خاکِ وطن میں آج تک حق تو یہ ہی نہیں اٹھا
ایسا ادیبِ حق نگار، ایسا خطیبِ خوش کلام

اس کے قلم کا حرف حرف نشاۃِ نو کی تہنیت
اس کی زبان کا لفظ لفظ نہضتِ تازہ کا پیام

اس کے کمالِ فہم پر قوم کو آج ناز ہی
ملک کو اس کی ذات پر آج ہی اعتمادِ تام

بزمِ ملل میں جس کی شان، مایۂ نازشِ سلف
صدرِ شرف میں جس کی ذات، زینتِ مسندِ کرام

ہے وہ خواصِ دہر کا ہند میں مرکزِ نگاہ
وجہِ شرف اسے نہیں گو رنگاہِ عوام

اس کے نقوشِ زندگی ثبت رہیں گے تا ابد
صفحۂ دہر پہ یہ نام پائے گا خلعتِ دوام

اس کی ہر ایک سانس ہے اسوۂ یوسفی کی نذر
کلمۂ حق کے واسطے وقف ہے زندگی تمام

آئے ہزار مدوجزر پھر بھی ہے ایک وضع پر
روزِ ازل سے آج تک اس کی حیات کا نظام

آئیں وہ اندر درس لیں عزم ابوالکلام سے
قوم کی رہبری کا آج ہے جنھیں ادعائے خام

رہبرِ قوم کے لئے شرط ہے پہلی ابتلا
جادۂ حق و صدق میں صبر ہے اولیں مقام

شعلۂ امتحاں کے بعد دیتے ہیں گلشنِ خلیل
جذبِ شعاعِ مہر سے بنتا ہے لعلِ سنگِ خام

جس نے سہے نہ ہوں ستم جس نے اٹھائے نہ ہوں الم (زخم)
ظلم ہے ایسے ہاتھ میں ملت و قوم کی زمام

بادۂ نخوت و غرور جن کا ہے مایۂ خمیر
کوثرِ الفتِ وطن کیش میں جن کے ہے حرام

وہ ہے زعیمِ ممتحن جانیں گے اسکی شان کیا
سرخوشیِ نشاط میں گذری ہیں جن کی صبح و شام

نورِ ہدیٰ سے بے نصیب حکمتِ دیں سے بے خبر
جان سکیں گے آہ کیا مرتبۂ ابوالکلام

روزِ ازل سے ہر نفس جس کا ہے حریت نواز
اس کو سمجھ سکے گی خاک پستیِ فطرتِ غلام

(نوٹ) یہ نظم اس وقت لکھی گئی تھی جب WAVELL PLAN کے سلسلے میں حضرت مولانا ابوالکلام آزاد شملہ کانفرنس میں پورے ملک کی رہنمائی کا حق ادا فرما رہے تھے، اور دنیا ان کی غیر معمولی فراست و دانائی پر انگشت بدنداں تھی۔

علی گڈھ میں اخلاقِ اسلامی کا مظاہرہ

اذا خاطبہم الجاہلون قالوا سلاما

خود اپنے مایۂ صد ناز دانش گاہِ قومی میں
مسلمانو! ذرا اخلاقِ اسلامی کا خوں دیکھو

تمھیں جس خُلق کی تعلیم دی تھی سرورِ دیںؐ نے
اسے اس مرکزِ تہذیب میں زار و زبوں دیکھو

ہزار افسوس دینِ پاک کی مجد و شرافت کو
وفورِ شرم سے اس سرزمیں پر سرنگوں دیکھو

علی گڈھ آج طائف بن گیا ہے قبلِ ہجرت کا
"رئیس الطائفہ" کا فیضِ درسِ واژگوں دیکھو

جو وا ہو چشمِ عبرت بیں تو ملت کے جوانوں پر
مسلط وقت کے اربابِ باطل کا فسوں دیکھو

علی گڈھ کی روایاتِ کہن پر ناز تھا تم کو
مگر اب دورِ نو کی پستیِ اخلاقِ دُوں دیکھو

تمھیں لے جائے گا آخر کہاں یہ فتنۂ حاضر
میں اس آغاز کا انجام تم سے کیا کہوں دیکھو

سلف میں اختلافِ رائے ادب کے ساتھ ہوتا تھا
مگر تم سیرتِ اسلاف کی تاریخ کیوں دیکھو

دریغا ترجمانِ وحی کے جوشِ عداوت میں
سبائی ذہنیت کی فتنہ پردازی فزوں دیکھو

تمھاری غیرتِ دینی کہاں ہے اے مسلمانو!
کہ تم اور ایسی گستاخی بہ ایں صبر و سکوں دیکھو

اہانت وہ بھی کس کی وارثِ پیغمبرِ دیں کی
جوانانِ ادب آموز کا جوشِ جنوں دیکھو

دیا جاتا ہے اس پُرفخر دانش گاہِ قومی میں
ہمارے نوجوانوں کو ادب کا درس یوں دیکھو

مٹانا چاہتے ہیں نازشِ ملّت کی عظمت کو
معاذ اللہ یہ اشرار کا خبثِ درون دیکھو
دبانے کے لئے آوازِ حق کو عصرِ حاضر کی
وطن کے مرکزِ دانش میں صف بستہ فسوں دیکھو
سبابِ بولہب کی جنگ تھی حلمِ رسالت سے
اُدھر ہنگامۂ شتم اور اِدھر صبر و سکوں دیکھو
نمونے کچھ اُدھر اخلاقِ عہدِ جاہلیت کے
نظر افروز اِدھر اِک اُسوۂ خیر القروں دیکھو
ادھر سر تا قدم تصویرِ خُلقِ بولہب روشن
اِدھر تفسیرِ نقشِ سابقون الاولوں دیکھو
ادھر وردِ زباں ربِّ اہد قومی کی دُعا سن لو
اُدھر طغیانِ استہزا ایں رنگ یعمہوں دیکھو
بیادِ حق کا جو اس دور میں ہے مظہرِ کامل
وہ اہلِ حق کا تنہا پیشوا اور رہنموں دیکھو

جو اربابِ جہالت ہوں مخاطب بندۂ حق سے
تو پھر قالوا سلاما پر عمل ہوتا ہے یوں دیکھو

نوٹ:- شملہ کانفرنس کی واپسی پر علی گڈھ اسٹیشن پر نوجوانانِ علی گڈھ نے امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ جو گستاخانہ طرزِ عمل اختیار کیا تھا، یہ نظم اسی افسوسناک واقعہ سے متعلق ہے۔

آفریں نوجوانانِ علی گڈھ!

توہین کی اک وارثِ پیغمبرِ دیں کی — ہیں لائقِ تبریک جوانانِ علی گڈھ

اس واقعۂ پُرفخر سے اطرافِ جہاں میں — کچھ اور بھی اب بڑھ گئی ہے شانِ علی گڈھ

ہے ہند میں اسلام کا یہ مرکزِ تہذیب — لاریب یہی خلق تھا شایانِ علی گڈھ

تعلیم و تمدن کے یہی وہ ہیں نمونے — کرتا ہے جنھیں پیش دبستانِ علی گڈھ

اسلام کے ہیں یہ وہی فرزندِ گرامی — یکسر ہیں جو پروردۂ دامانِ علی گڈھ

ملت کے یہی وہ ہیں جوانانِ خوش اوصاف — جو سیرت و کردار میں ہیں جانِ علی گڈھ

ہیں دانشِ نو کے یہی وہ پیکرِ زیبا — معمور ہے جس سے ادبستانِ علی گڈھ

تہذیب و شرافت کے یہی وہ ہیں مرقعے — دراصل جو ہیں رونقِ ایوانِ علی گڈھ

اخلاق و محاسن کے یہی وہ ہیں مظاہر — نازاں ہیں بہت جن پہ خود اعیانِ علی گڈھ

ہر داعیِ اسلام کی سیرت پہ نظر بھی — مانا کہ ہے اسلام پہ ایمانِ علی گڈھ

تہذیب و شرافت کا پھر اللہ ہی حافظ — مضمر ہے سخافت ہی میں گر شانِ علی گڈھ

ـا کے ستمِ دست درازاں سے ہے بچا کون — خود روحِ علی گڑھ ہے دعا خوانِ علی گڑھ

یاد نہیں قافلۂ جوہرِ مرحوم — تھا داعیِ حق، بن کے جو مہمانِ علی گڑھ

ـف کا مجاہد ہو کہ اُمّت کا مفسّر — وہ کون ہے جس پر نہیں احسانِ علی گڑھ

ا کئے ہیں ایسے جوانانِ خوش اطوار — ہے نصف صدی کا یہی فیضانِ علی گڑھ

کیا تھی یہی سرسیدِ مرحوم کی تعلیم
سوچیں تو ذرا آج بزرگانِ علی گڑھ

ادبِ جدید

جدید ادب کی یہ اللہ رے شانِ بے ادبی | زبانِ بے ادبی و بیانِ بے ادبی
ہر ایک حرف مجسم طرازِ عریانی | ہر ایک سطر سراسر نشانِ بے ادبی
ہر ایک لفظ میں دنیائے معصیت آباد | ہر ایک کلام میں پنہاں جہانِ بے ادبی
نقوشِ خامہ ہیں یہ، یا ہجومِ فسق و فجور | سطورِ صفحہ ہیں، یا کاروانِ بے ادبی
قدیم ادب سے تعلق روا نہیں رکھتے | جدید دور کے یہ نکتہ دانِ بے ادبی
ہے عہدِ نو میں "ترقی پسند ادیب" وہی | جو بر ملا ہے یہاں ترجمانِ بے ادبی
ہر ایک سو بے ادب کیوں نہ ہو رواں ہیں | کہ ہے ادب کے لئے یہ زمانِ بے ادبی
جدید دور کا خم خانۂ ادب ہے کہ یہ | ہے آستانۂ بادہ کشانِ بے ادبی

ہزار حیف ہے، سرمایہ ہنر اِن کا
ادب کی شان ہیں، ہر ایک شانِ بے ادبی

نگاہِ شاہد و ساقی کے سب ہیں متوالے
وہ ہوش ور کہ ہیں جرعہ کشانِ بے ادبی

انھیں نہ پاسِ ادب ہے نہ احترامِ ہنر
کچھ ایسے مست ہیں، یہ سرخوشانِ بے ادبی

یہی بس ان کی حیاتِ ادب کا ہے مقصد
زبانِ شوخ ہے اور داستانِ بے ادبی

یہی بس ان کے کمالِ ہنر کی ہے معراج
جبینِ خامہ ہے اور آستانِ بے ادبی

دکھائے کون انھیں راہِ آستانِ ادب
مرید نفس ہیں یہ رہروانِ بے ادبی

نذرِ عقیدت

بہ تقریبِ وداعِ محبِّ گرامی مولوی محمد اویس صاحب ندوی نگرامی

رفیقِ دارالمصنفین

دل اب حریفِ غمِ کسی عنواں نہیں رہا
تابِ غمِ فراق کے شایاں نہیں رہا

احباب باوقار سے ہے معذرت کہ اب
یارائے صبر و ضبط کا امکاں نہیں رہا

آنکھیں ہیں نم کہ آج وداعِ اویس ہے
غم ہے کہ محرمِ غمِ پنہاں نہیں رہا

جس کے قدوم سے چمک اٹھتا تھا غم کدہ
اب وہ فروغِ کلبۂ احزاں نہیں رہا

شوریدگانِ شوق ہوں مضطر نہ کیوں کہ اب
تسکینِ قلب و روح کا ساماں نہیں رہا

آنکھوں سے تھے لگائے ہوئے جس کو دیر سے
ہاتھوں میں اب وہ گوشۂ داماں نہیں رہا

ملتی تھی جس کے درس سے مومن کو زندگی
وہ شارحِ معارفِ قرآں نہیں رہا

سیراب جس کے فیض سے ہوتے تھے تشنہ کام
رندو! وہ دورِ بادۂ عرفاں نہیں رہا

ہے جس کی زندگی کا مشن زہد و اتقا
وہ پاکباز مردِ مسلماں نہیں رہا

فیضِ نگاہِ ساقیِ رنگیں نہ پوچھئے
تھا کون یاں جو سرخوشِ احساں نہیں رہا

جائیں کہاں، بتائے کوئی تشنگانِ فیض — وہ موجِ خیز چشمۂ ایماں نہیں رہا

اب سالکوں کو کون دکھائے گا راہِ حق — جادہ شناسِ فقہ و قرآں نہیں رہا

احکامِ دیں کی عقدہ کشائی کرے گا کون — نکتہ شناسِ فقہ و قرآں نہیں رہا

چشم و چراغِ دودۂ ارشاد و علمِ دیں — وہ فخرِ خانوادۂ عرفاں نہیں رہا

خود اپنے بختِ شور کی محرومیاں ہیں یہ — دامن جو یوں چھڑا کے وہ اب یاں نہیں رہا

حق ہے اگر ہو مجلسِ احباب بے فروغ — دردا کہ شمعِ بزمِ رفیقاں نہیں رہا

تھا جس کے دم سے میکدہ میں شورِ زندگی — افسوس اب وہ رندِ خمستاں نہیں رہا

ہر رند مثلِ شیشۂ مے سر بجیب ہے
ساقی چلا تو رخصتِ صبر و شکیب ہے

بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھائے گا کون اب — سوتے ہوؤں کو آہ جگائے گا کون اب

عرفاں کا نقش دل پہ بٹھائے گا کون اب — قرآں کا درس ہم کو سنائے گا کون اب

ناواقفانِ دیں کو بہ صد مہر و التفات — اسرارِ دینِ حق کے بتائے گا کون اب

ہم جیسے عامیوں کو محبت سے لطف سے — احکامِ دیں کے نکتے سکھائے گا کون اب

اللہ کی کتاب سے اللہ رے یہ شغف — زحمت برائے درس اٹھائے گا کون اب

ناواقفانِ راز کی محفل میں آ کے خود — اخبارِ دیں کے گنج لٹائے گا کون اب

دیکر جلا فروغِ ہدایت سے بار بار — عصیاں کے داغ دل سے مٹائے گا کون اب

خود اپنے سوزِ دل کے شراروں کے فیض سے — شمعِ یقیں دلوں میں جلائے گا کون اب

آبِ حیات لے کے لبِ جاں نواز میں
رندوں کی بزم خاص میں آئے گا کون اب

بھر بھر کے جام و ساغرِ صہبائے معرفت
خود میکشوں کو اپنے پلائے گا کون اب

محفل میں وہ نظر جو نہیں اب ہی بادہ ریز
رندوں کی تشنگی کو بجھائے گا کون اب

سہ روزہ دورِ جام کے فیض نوید سے[1]
صہبا کشوں کو وجد میں لائے گا کون اب

تجھ سا شفیق راہ نما حیف اب نہیں
ہم کو صراطِ حق پہ چلائے گا کون اب

ایسے جوانِ صالح و پاکیزہ اب کہاں
تیری مثال دہر میں پائے گا کون اب

سونی پڑی ہی مسندِ افتاء و درس آج
احکام دیں کے ہم کو بتائے گا کون اب

افسوس آج حلقۂ رنداں ہی بے خروش
نہ ذوقِ میکشی ہی نہ ہی فیضِ نائے و نوش

---

[1] مولانا نے ایک حلقۂ درس قائم کیا تھا، جس میں ہفتہ میں دو روز قرآن مجید کا درس دیتے تھے۔

نذرِ محبت

بہ تقریبِ وداع محب محترم جناب مولوی محمد اویس صاحب ندوی نگرامی رفیق دارالمصنفین

ذرا کچھ دیر ابھی شغلِ مے و مینا بہم ساقی
کہ میخانے سے اب اٹھنے کو ہیں تیرے قدم ساقی

کہاں فرصت کہ دیکھیں چشم ترسے جام و مینا کو
ترے رندانِ میکش ہیں ابھی مصروفِ غم ساقی

نہیں ہیں ہم ہی کچھ ہیں سرخوش تری چشمِ عنایت کے
کہ میخانے کا ہر ذرہ ہے ممنونِ کرم ساقی

نہ پھیر اپنی نگاہوں کو ابھی اے جانِ میخانہ
ترے رندوں کی آنکھوں میں ابھی باقی ہے دم ساقی

کرے کس طرح اظہارِ غمِ دل تو ہی فرما دے
زبانِ خامہ میں اب تو نہیں تابِ رقم ساقی

تو نظریں پھیر کر جاتا ہے لیکن دیدۂ دل میں
رہے گی جیتے جی تصویر تیری مرتسم ساقی

ادھر ہے نالہ زن مینا اُدھر خوں بار پیمانہ
کہ سارے میکدے کو ہے تری فرقت کا غم ساقی

ہجومِ بیخودی میں چومتے تیرے قدم ساقی
اگر ہوتی نہ تیری شانِ محترم ساقی

تری محفل میں ہر مے خوار تھا سرمست آگاہی
تری نظریں تھیں یا صہبائے اسرار و حکم ساقی

ہر اک جنبش میں وا ہوتا تھا صد خم خانۂ عرفاں
وہ مست آنکھیں تھیں یا گردش میں تھا خود جام جم ساقی

لئے جاتا ہوں میں تجھ کو تری بزم تجلی سے
کہ ہو معمور جلووں سے ترے یہ چشم نم ساقی

پلا دیتا ہو تو رندوں کو اپنے خم کے خم پیہم
تری بزم طرب میں کیا سوالِ کیف و کم ساقی

ترے کیفِ نظر کو حشر تک ہرگز نہ بھولیں گے
ترے رندانِ میکش، تیری آنکھوں کی قسم ساقی

یہاں جو رند ہو تیرا اگر انبار عنایت ہو
سر شوریدہ قدموں پر ترے ہوں کیوں نہ خم ساقی

حیات افروزِ ایماں تھا ترا ہر جرعۂ صہبا
نشاط انگیز تھا ہر رشحہ ابرِ کرم ساقی

خدا جانے خراباتِ مغاں کا حشر اب کیا ہو
کہ تیرے دم سے میخانے کا قائم تھا بھرم ساقی

چلے آتے تھے تیری بزم میں کھنچ کھنچ کے خود میکش
کہ تیرا دورِ مے اس دور میں تھا مغتنم ساقی

فارسی نظمیں

پیش کش تہنیت

بہ تقریبِ جشنِ سیمینِ اعلیٰحضرت نظامُ الملک آصف جاہ سابع

سزد امروز اگر خاکِ دکن بر خویشتن نازد — کہ بر اوجِ کمالش گنبدِ چرخِ کہن نازد

خوشا وقتے کہ اندر سینہ می رقصد دلِ کشور — خوشا روزے کہ بر خود اینچنین ملک و وطن نازد

مبارک جشنِ سیمیں آں شہِ اقلیمِ دانش را — کہ بر ذاتِ ہمایونش جہانِ علم و فن نازد

جہانبانے کہ مشرق تا بہ مغرب گرد او گردد — جہاں وائے کہ بر ذاتش ز کشمیر تا دکن نازد

چناں آئین و اسرار و رموزِ سلطنت داند — کہ بر تدبیرِ او امروز اعصار و زمن نازد

بلے فرماں دہی زیبد چنیں فرمانروائے را — کہ بر نظمِ امورش مملکت بر خویشتن نازد

بریں چشم و چراغِ دودمانِ آصفی آرے — روا باشد اگر وہ ہیم واورنگِ دکن نازد

نہ تنہا ہند بر جود و نوالش مفتخر آمد — عرب نازد، عجم نازد، ختا نازد ختن نازد

زعمالش فرات و نیل شورِ زندگی دارد — بہ بحرِ بیکرانش دجلہ و گنگ و جمن نازد

ز بذل و جودِ او چوں شیخ یکساں بہرہ اندوزد — بدورِ عدلِ عثمانی سزد گر برہمن نازد

سزاوارست اورا خسروی ملک معانی را — کہ بر منشورِ علم و حکمتش اقلیم فن نازد

ادیبے سحر پردازے کہ بر ہر حرف رنگینش — قلم نازد زباں نازد ادب نازد سخن نازد

ببیط خاک را دیوانِ اشعارش بوجد آرد — اگر بزم فلک بر نغمۂ پروینِ پرن نازد

زبس نطقِ گہربارش جواہر پارہا ریزد — بدین نسبت ہمی زیبد اگر درِ عدن نازد

فروغ بزم امکان است دمی زیبد اگر بروے — جہان آب و گل نازد نظامِ جان و تن نازد

الٰہی باغِ گیتی از وجودش خرمی گیرد — چمن تا بر شقیق و ارغوان و نسترن نازد

نسیم لطف حق یا شد چمن پیرائے اقبالش — صبا تا بر بہارِ لالہ و سرو و سمن نازد

نگہدار اے خدا آں شاہِ آصف جاہِ سابع را

کہ بروے عہد حاضر نازد و عصر کہن نازد

خیر مقدم

جناب نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی

بہ تقریب قدوم مدرستہ الاصلاح ۔ سرائے میر، اعظم گڑھ

بحمداللہ کہ ایزد دعوت ما را مجیب آمد — نوید کامرانی بہرِ جانِ ناشکیب آمد
زعنبر بیزیِ خلقِ عمیم کیست کایں محفل — گلستاں در گلستاں از وفور نشر طیب آمد
سزد ایں ناچیہ گر بر عروجِ بختِ خود نازد — کہ اکنوں سوئے او اہلِ معارف را حبیب آمد
عجب نبود دریں ویرانہ از انبوہِ مشتاقاں — کہ خود آوازۂ فضل و کمال او نقیب آمد
ندا آید کنوں از خواب گاہِ حضرتِ شبلی — خوشا یارے کہ با آں دوریِ منزل قریب آمد
چراغِ دودۂ افغاں فروغِ دیدۂ شرواں — کہ ذاتش در غلام آباد ہندوستاں غریب آمد
حیاتش یادگارے آمد اسلافِ گرامی را — کہ او آں گنج ہائے دین و دانش را رقیب آمد
زہر حرفش گل خنداں لطافت دام می گیرد — صریرِ خامہ اش گوئی نوائے عندلیب آمد
وجودش مجمع البحرین آمد دین و دولت را — کہ خلقش بر در و او بر درِ خالق منیب آمد
کنوں در جامعیت مثل او دیگر نمی بینم — نقی آمد تقی آمد ادیب آمد خطیب آمد

سزد امروز اگر ایں مدرسہ بر خویشتن بالد
کہ از **فیضیؔ** قدومش کامگار و خوش نصیب آمد

پیش کش تہنیت

به تقریب مراجعت برادر محترم جناب لوی سعید انصاری صاحب ایم۔ اے

از کولمبیا یونیورسٹی نیویارک بہ اعظم گڑھ

مبارک اہل دانش راکہ یارِ نکتہ داں آمد — زحکمت خانۂ مغرب بہ مشرق کامراں آمد

"سعیدے" را دگر در بزم یاراں جلوہ گر بینم — کنوں آں ساعتِ فرخ ز دورِ آسماں آمد

ہمایوں اخترے کش آرزو کردم درخشاں شد — گرامی گوہرے کش جستجو کردم بہ کاں آمد

نگہ از دیدہ، دل از سینہ بیروں بہر تبریکش — ہجوم اندر ہجوم و کارواں در کارواں آمد

ز ارباب ہنر صد گوہر معنی نثارش شد — زما اشکِ مسرت بر قدومش ارمغاں آمد

گرفتم اینکہ منزل دور بود و جادہ خارستاں — بہ ہمت چوں قدم زد کامگار و کامراں آمد

عناں از رہ نمی پیچید عزمش بر صعوبت ہا — بلے پائے طلب را خار و خارا پرنیاں آمد

زمشرق برد ذوقِ جستجو اورا دراں محفل — بہ کیفِ آرزو سرشار رفت و سرگراں آمد

قدح نوشے کہ ہمہ خم خانہ خالی کرد در مغرب — ہنوزش نشۂ صہبائے یثرب ہمچناں آمد

دعائے دوستاں و دردمنداں بود ہمراہش — بہ ہرش سازگار و لطفِ ایزد مہرباں آمد

زفیضِ جلوہ بارش خاکِ مغرب ہم ضیا گردید — کنوں تنہا نہ بر مشرق فروغش ضو فشاں آمد

دریں معمورہ ہر سو ہنضت تازہ ہمی بینم — بہ فیضِ مقدمش ہر ذرہ اکنوں پر فشاں آمد

اگر اعظم گدہ برخویشتن نازد روا باشد — کنوں آوازۂ او تا بہ اوجِ آسماں آمد

بریں مژدہ سزد گر جامعہ برخود ہمی بالد — کہ آبِ رفتہ اش از جوئے باز اکنوں رواں آمد

زبانِ تشنۂ فن باز در بزمِ حریفاں شد — سرِ شوریدۂ دانش دگر بر آستاں آمد

حینا لک ہمی گویند باہم ذاکرِ دعا بد — کہ آں رندِ خمستاں باز در بزمِ مغاں آمد

سعید ما چو از کولمبیا آمد سوئے دہلی — سعادت در جلو آمد ظفر در کارواں آمد

تو گوئی یوسفِ گم گشتہ باز آمد سوئے کنعاں — تو گوئی بادِ نوروزی دگر در بوستاں آمد

بہ دہلی باز بر زد گام چوں بارے سفر کردہ — بہر سو شورِ طبتم از زمیں تا آسماں آمد

سزد گر شورِ حشرِ آرزو از دل ہمی خیزد — ز مغرب آفتابِ ما بہ مشرق ضوفشاں آمد

اگر ہر ذرّہ خاکِ وطن رقصد ہمی زیبد — کہ فیضِ مقدمش وجہِ فروغِ ہمگناں آمد

سزد امروز اورا نازشِ پیشینیاں بودن — کہ از وے زندہ از سر داستانِ باستاں آمد

اگر اسلاف می نازند بر دانش ہمی زیبد — کہ فخرِ ملت و چشم و چراغِ دودماں آمد

الٰہی ایں متاعِ علم و دیں در حفظِ تو بادا
کنوں در بارگاہت ایں دعائے ہمگناں آمد

لکھنؤ

دمے بگذار اے دورِ فلک تا لکھنؤ بینم — بچشمِ آرزو آں مرغزارِ رنگ و بو بینم

خوشا شہرے کہ بر خاکش سوادِ خلد می رقصد — چہ فردوسے کہ در باغش بہشتِ آرزو بینم

بہارِ مرغزارش دامنِ دل می کشد ایں جا — زبس ہر سمت جوشِ سبزہ و فیضِ نمو بینم

تو می گوئی چمن اندر چمن ہر رہگذر باشد — تو می گوئی ختن اندر ختن ہر کاخ و کو بینم

ہمہ شہر ست آرے مرغزارِ حسن و رنگینی — بہارِ سبزہ و سرو و صنوبر چار سو بینم

چہ می گویم چہ کارے مشکلے افتد نگاہم را — چوں ہر جانب ہجومِ شاہدانِ لالہ رو بینم

بلے زیبد اگر ایں شہر را رشکِ ارم خوانم — کہ خاکِ عنبرینش را سراپا رنگ و بو بینم

نگشتم سیر در دا از بہارستانِ رنگینش
ہنوزم آرزو باشد کہ دیگر لکھنؤ بینم

قطعہ تاریخ وفات[1]

شاہد مرحوم خلف ایم مہدی حسن مرحوم افادی الاقتصادی

بزبان مادر محزون

نسیمے بود در باغ حیاتِ مادم شاہد	بہشتے بود آغوشم ز روے خرم شاہد

بہار آخریم بود در دا روے رنگینش	فرامش چوں شود یارب ز آغوشم رم شاہد

بہ آں شہر خموشاں چوں گذارد نوجوانِ من	کہ کس جز شمع تربت نیست یار و ہمدم شاہد

فلک ایں جور تو بر من چرا کردی نہ دانستی	کہ جانِ ناتوانم بر نمی تابد غمِ شاہد

ازیں ناوک کہ بشکستی مرا در سینہ اے گردوں	سزد گر خون بہ گریم تا ابد در ماتمِ شاہد

بحالِ درد و غم بہ گذاشتی اے چرخ مادر را	پدر را ساختی خرم ز فیضِ مقدمِ شاہد

شنید ایں نالہ و با پشت خم گردوں فغاں بر زد

غمِ شاہد کہ سال رحلتش آمد غمِ شاہد

۱۳۵۰ھ

---

[1] بہ فرمودہ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی۔

سرشکِ غم

بر وفات

منشی عبدالغفور صاحب مرحوم رئیس شہر اعظم گڈھ محلہ آصف گنج

درودے پیش کش اے رہ نوردان سرِ ساحل[1] — کہ محوِ خوابِ نوشین است اک مردِ غیور ایں جا

عزیزے محترم مہماں ہمی آید کنوں زیبد — بہ استقبال برخیز ند اگر اہلِ قبور ایں جا

ادب شرط است اے بادِ سحر آہستہ بخرامی — نمی دانی کہ باشد مرقدِ عبدالغفور ایں جا

بہ خاکش چشمِ انجم گر گہر باشد روا باشد — کہ مدفون است فخر و نازِ اعصار و دہور ایں جا

چوں یاراں بشنوند ایں مرگ جانکاہی بہ صد حسرت — برائے فاتحہ آیند از نزدیک و دور ایں جا

مزارش خضرِ منزل باشد اربابِ بصیرت را — بماند تا ابد عبرت گہِ اہلِ شعور ایں جا

چو آسودن دریں منزل بود ہیچ است کاشانہ — بہ ویرانہ نیرزد کاخ و ایوان و قصور ایں جا

ازیں خوابِ گراں صد حیف اکنوں سر نہ برداری — مگر وقتے کہ خود برپا شود شورِ نشور ایں جا

دریں آشوبِ غم ہائے چنیں آشفتہ سر نالم — کنوں باشد دعائے از تو اے ربِ غفور ایں جا

منور کن ز انوارِ تجلی خوابگاہش را — بفرما ذرہ ذرہ را بہ رحمت غرقِ نور ایں جا

پئے تاریخِ سالِ رحلتش چوں سر فرو بردم
ز گردوں ایں ندا آمد کہ "دی شد غرقِ نور ایں جا"
۱۹۳۹ء

[1] مرحوم در وطنِ مالوف خود اعظم گڈھ بہ مقام اسلام گھاٹ کہ بہ ساحلِ دریائے ٹونس واقع است می آساید۔